راز سرحدی

تصنیف — رازؔ سرحادی
کتابت — عبدالحمید غازی پوری
طباعت — جمال پرنٹنگ پریس دہلی
اشاعت — فروری ۷۴ء (بار اوّل) ایک ہزار
قیمت — چھ روپے

ترتیب

ناشرین

کھیڑا پبلیکیشنز ۴ نیو مارکیٹ تیمار پور، دہلی

انتساب

برادرم محترم

ڈاکٹر ٹیک چند ملک مرحوم

کے

نام

کر سکو تم نہ اگر عظمتِ اِنساں کو قبول
بند کعبے کو کرو توڑ دو بُت خانوں کو

راؔز

صد شکر جل کے راکھ ہوئے سوزِ عشق سے
زیبائشِ فلک ہوئیں چنگاریاں مری

ڈی۔ این ملک راز سرحدی

اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف ایجوکیشن دہلی ایڈمنسٹریشن دہلی

شاستری بھون نئی دلّی
۱۷ مئی ۱۹۷۳ء

تاثرات

رازؔ سرحدی کا "جنگ نامہ" میں نے جستہ جستہ دیکھا ہے۔ انھوں نے عام جذبات اور محسوسات کو بڑے جوش و خروش سے نظم کیا ہے۔ روانی اور بہاؤ کا احساس ہوتا ہے۔ جنگ بذاتہ اچھی چیز نہیں ہے لیکن جب حالات کوئی جنگ مسلّط کر دیتے ہیں تو پھر مُلکوں اور قوموں کو حوصلہ مندی اور ہمّت سے جم کر مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

ہندوستان کے ساتھ آزادی کے بعد پاکستان اور چین نے اسی طرح جنگجویانہ کاروائیاں کیں اور ہندوستان نے ہر بار جُرأت، ہمت اور بہادری سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہ ٹکراؤ دراصل جنگجوئی اور ملک گیری کے خلاف اور امن و مساوات و آزادی کے تحفظ کے لئے تھا۔

آخری اور فیصلہ کن جنگ دسمبر ۱۹۷۱ء میں ہوئی، جس کی

بدولت بنگلہ دیش کو آزادی ملی اور جزیرہ نمائے ہند میں امن کی
طاقتیں مستحکم اور مضبوط تر ہوئیں۔

ہماری یہ سوچی سمجھی پالیسی ہے کہ برِصغیر ہند میں امن و امان کی
فضا ہمیشہ قائم رہے اور آپس کے جھگڑے اور مناقشے آپسی طور
پر طے ہو جائیں۔ شملہ سمجھوتہ اِس سلسلے میں سب سے اہم قدم ہے۔
ہمیں امید ہے کہ پاکستان امن وامان کی فضا کو مستحکم بنانے
میں ہمارے ساتھ تعاون کرے گا کیونکہ پورے برِصغیر کی ترقی
کا دار و مدار اسی پر ہے۔

جنگ نامہ کے جو اجزا میں نے دیکھے ہیں وہ اُنھیں جذبات
کی عکاسی کرتے ہیں۔ بغض و عداوت، آمریت، عدم مساوات،
بدسلوکی اور بدکرداری کے خلاف شاعر بار بار آواز اُٹھاتا ہے
اور امن کے گیت بھی سناتا ہے۔

اِس کے بعض حصّے پڑھ کر مجھے خوشی ہوئی۔

سیّد نورالحسن

وزیر تعلیم حکومتِ ہند

پیش لفظ

جناب جگن ناتھ آزاد ڈپٹی پرنسپل انفارمیشن آفیسر پریس انفارمیشن بیوریو گورنمنٹ آف انڈیا سری نگر

جناب راز سرحدی کا زیرِ نظر مجموعۂ کلام "جنگ نامہ" تین طویل نظموں پر مشتمل ہے۔ نورِ صداقت، دورِ وفا اور جلتی مشالیں۔

نورِ صداقت کا موضوع بھگوان رام اور راون کی جنگ ہے۔ دورِ وفا ہماری جنگِ آزادی کی داستان ہے اور جلتی مشالیں ہندو پاکستان کی سنہ ۱۹۷۱ء کی جنگ پر مشتمل ہے۔ گویا موضوع کے اعتبار سے یہ تینوں نظمیں حق و باطل کی جنگ سے تعلق رکھتی ہیں۔

رامائن کا موضوع اردو شاعری کے لئے نیا نہیں ہے۔ اِس وقت تک درگا سہائے سرور، برج نرائن چکبست، تلوک چند محروم، نفیس خلیلی جگن ناتھ خوشتر اور شنکر دیال فرحت اس میدان میں اپنی جولانیٔ طبع دکھا چکے ہیں۔ جگن ناتھ خوشتر اور شنکر دیال فرحت نے مکمل رامائن کو طویل مثنویوں کی صورت میں نظم کیا ہے۔ اِن مثنویوں نے اگرچہ شہرتِ عام نہیں پائی لیکن اردو شاعری میں وہ سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں، اور

اُردو کا کوئی ناقد مثنوی کا ذکر کرتے ہوئے اُنھیں نظر انداز کر کے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

سرور، چکبست اور محروم نے مکمل رامائن کو نظم نہیں کیا لیکن اِس موضوع پر مختلف نظموں کی صورت میں ان تینوں شاعروں نے اتنا لکھا ہے کہ اگر اِن کی منظومات کو مرتب کیا جائے تو قریب قریب ایک رامائن مکمل ہو سکتی ہے۔ نفیس خلیلی نے بھی مکمل رامائن کو نظم کیا ہے اور ایک زمانے میں اِن کی یہ نظم پنجاب کی فضاؤں میں بڑے طنطنے کے ساتھ گونجتی تھی۔ کیونکہ نفیس خلیلی اپنے دَور میں مشاعروں پر چھا جانے والے شاعر تھے۔

آج جناب راز سرحدی نے اس وادی میں قدم رکھا ہے۔ یہ وادی سنگلاخ بھی ہے اور گلپوش بھی۔ سنگلاخ اس لئے کہ جس میدانِ سخن میں سرور، چکبست، محروم اور فرحت کا راہوارِ فکر اپنی جولانی دکھا چکا ہو وہاں یہ امر یقینی ہے کہ بلندئ معیار بعد میں آنے والے شاعر کے لئے ہر قدم پر ایک امتحان کا سامان پیدا کرے گی۔ اور گلپوش اِس لئے کہ جب تک دُنیا میں عقیدت، محبت اور قربانی کا جذبہ موجود ہے یہ موضوع ہمیشہ تازہ اور شاداب رہے گا اور ہر دور میں شاعروں اور فن کاروں کو دعوتِ فکر دیتا رہے گا۔

چنانچہ اسی جذبے سے متاثر ہو کر راز سرحدی نے اِس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور اِس معرکۂ حق و باطل کو نہایت دلنشین پیرائے میں بیان کیا ہے۔

"دورِ وفا" میں راز صاحب کا جذبۂ حُبِّ وطن اور جذبۂ شعر گوئی اِس خوبصورتی سے ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہو گئے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے الگ کر کے دیکھنا دشوار ہے۔

رامائن کی طرح ہماری جنگِ آزادی کی داستان بھی اکثر شاعروں نے نظم کی ہے۔ اِن نظموں میں شمیم کرہانی کی کاوش ایک طرۂ امتیاز کی حامل ہے۔ یہ ایک مثنوی ہے۔ راز صاحب نے اپنے افکار کو شعری جامہ پہنانے کے لئے مسدس کا انتخاب کیا ہے اور بڑے خلوص سے اپنے خیالات کو پیش کیا ہے۔

اِس سلسلے کی تیسری نظم کا عنوان ہے جلتی مشالیں۔ اس کا موضوع ہے ہند و پاک جنگ اور بنگلہ دیش کی ایک آزاد ملک کے طور پر نمود۔ جہاں تک اِس موضوع کا تعلق ہے راز صاحب کو ایک طرح سے اولیت کا شرف حاصل ہے۔ اِس لئے کہ اس موضوع پر اردو شاعروں نے چھوٹی چھوٹی متفرق نظمیں لکھی ہیں لیکن طویل نظم کے لئے کسی شاعر نے اپنی توجہ وقف نہیں کی جہاں تک اردو کے نامور شاعروں کا تعلق ہے خیال یہ ہوتا

ہے کہ اُنھوں نے اِس موضوع سے اپنا دامن بچانے کی کوشش کی ہے۔

"جلتی مشالیں" مقصدی ادب کی ایک روشن مثال ہے۔ بالخصوص اِس دَور میں جبکہ شاعری اور مقصدیت میں روز بروز فاصلہ حائل ہوتا جا رہا ہے۔ رازؔ صاحب کا یہ نظم پیش کرنا ایک بہت بڑی قومی خدمت ہے مجھے یقین ہے کہ رازؔ سرحدی اِس قسم کی نظموں کا سلسلہ جاری رکھیں گے کیونکہ آج ملک کو محض اِس ادب کی ضرورت نہیں جو رمز اور کنایہ سے اِس طرح لبریز ہو کہ اِس پر کوہ کندن و کاہ برآوردن کی مثل صادق آسکے بلکہ اِس ادب کی ضرورت ہے جو اہلِ وطن کے دل میں نیا شوق، نیا ولولہ اور نئی امنگ پیدا کر سکے۔ رازؔ صاحب کی نظم "دورِ وفا" اِس معیار پر پُوری اُترتی ہے اور اُمید رکھنی چاہیئے کہ یہ نظم اِس طرح کی اور متعدد نظموں کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ بقول علامہ اقبالؔ ؎

ہر لحظہ نیا طور، نئی برقِ تجلّی

اللہ کرے معرکۂ شوق نہ طے ہو

سری نگر

۱۶ر جولائی ۱۹۷۳ء

تعارف

جناب کنہیالال گاندھی سپیشل اسسٹنٹ وزیر اطلاعات و نشریات حکومت ہند

میرے عزیز دوست شری ڈی۔ این۔ ملک کو دہلی کی تعلیمی دنیا میں ایک اہمیت کا مقام حاصل ہے لیکن آپ کا تعارف بطور راز سرحدی صرف چند دوستوں تک محدود ہے۔ میں اس کی وجہ آپ کی حلیمی سمجھتا ہوں جس کی آپ مجسم تصویر ہیں۔ آپ نے اپنے اٹھائیس سالہ دہلی کے قیام میں نہ تو کسی مشاعرے میں شرکت کی اور نہ ہی اپنے کلام کو کسی اخبار یا رسالے میں شائع کرنے کے لئے بھیجا۔ یہی وجہ تھی کہ بطور شاعر آپ کا دائرہ مقبولیت زیادہ وسیع نہ ہوا۔ میں اُن خوش قسمت انسانوں میں ایک ہوں جن کو قریب سے آپ کی غزلیں اور نظمیں سُننے کا شرف اکثر حاصل رہا ہے۔

آپ ۱۹۴۵ء سے دہلی میں مقیم ہیں اور محکمۂ تعلیم سے وابستہ ہیں۔ آجکل آپ دہلی ایڈمنسٹریشن میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف ایجوکیشن کے عہدے پر مامور رہیں۔ میری آپ سے پہلی ملاقات مارچ ۱۹۵۵ء میں ہوئی جبکہ میں محکمۂ تعلیم میں بطور اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز تعینات ہوا۔ آپ پہلے سے ہی اسی عہدے پر مامور تھے۔ آپ ایک ہر دلعزیز آفیسر اور مخلص دوست ہیں اور مقناطیسی شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ کی رفاقت ملی اور آپ کے اشعار سُننے کا شرف بھی حاصل ہوا جو آج تک قائم ہے۔ عہدِ ماضی کی یادیں تو ویسے ہی خوشگوار ہوتی ہیں مگر وہ چند سال جو ہم نے ایک دوسرے کی رفاقت میں بسر کئے ناقابلِ فراموش ہیں۔ یہ آپ کی نیز ایک اور دوست جناب جگدیش لال آزادؔ کی صحبت کا اثر تھا کہ میرا بھی شعروشاعری سے ربط بڑھتا گیا۔

رازؔ صاحب کے کلام پر کوئی رائے قائم کرنا تو اہلِ فن کا حصّہ ہے لیکن میں اپنی پسند کا اظہار ضرور کر سکتا ہوں۔ آپ کے اشعار وجدان کو متاثر کرتے ہیں اور سننے والے کے دماغ پر ایک مستقل چھاپ چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ نے بہت کم لکھا ہے مگر جو کچھ بھی

لکھا ہے وہ اردو ادب کا بیش قدر تحفہ ہے۔ میرے لئے یہ اطلاع باعثِ مسرت ہے کہ آپ نے اپنے مجموعہ کلام کو 'سرودِ حیات' اور 'جنگ نامہ' کے عنوان سے شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ جنگ نامہ تین طویل نظمیں نورِ صداقت'، دورِ وفا، اور جلتی مشالیں پر مشتمل ہے۔ اور اِس منظوم شاہکار کا ہر شعر اور ہر بند واقعات کے جذباتی پہلوؤں کی منہ بولتی تصویر ہے جس کی تخلیق کا شرف صرف رازؔ صاحب کو ہی حاصل ہے۔ مجھے امید واثق ہے کہ محبِ کلام مجھ سے متفق ہوں گے۔

شاستری بھون نئی دلی

۵/اگست ۱۹۷۳ء

شکریہ

ملک کی آزادی کی سلور جوبلی کی تقریب میں تواریخ کے چند اوراق "جنگ نامہ" کے عنوان سے ناظرین کے پیشِ خدمت ہیں۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ محترم وزیرِ تعلیم حکومت ہند عالی جناب پروفیسر سید نورالحسن صاحب نے باوجود اپنی مصروفیات کے "جنگ نامہ" کے مسودے کو پڑھنے کی زحمت گوارا فرمائی اور اپنے خیالات کا اظہار کر کے میری حوصلہ افزائی کی۔ آپ کی ذرہ نوازی کا ممنون ہوں۔

مکرمی جناب جگن ناتھ آزاد نے نہ صرف پیش لفظ لکھنے کی ذمہ داری کو سرانجام دیا بلکہ مجھے میری ادبی لغزشوں سے آگاہ کر کے ممنونِ احسان کیا۔ یہ آزاد صاحب کی شفقت ہے کہ میں جنگ نامہ کو شائع کرنے کی جرأت کر سکا۔ ظاہراً تو جناب کنہیا لال گاندھی نے تعارف کے چند کلمات ہی رقم کئے،

پر حقیقت یہ ہے کہ یہ آپ کا تکرار تھا جس نے مجھے شاعر بنا دیا۔ اس بات کا اندازہ تو ناظرین ہی کریں گے کہ جنگ نامہ کی تخلیق کہاں تک آپ کے جذبات کی ترجمانی کرنے میں کامیاب رہی۔ مگر میں اِس امر کا اعتراف ضرور کروں گا کہ جنگ نامہ کی اشاعت کا فخر مجھے گاندھی جی کی ادب نوازی نے عطا کیا۔

ان کے علاوہ جن رفقائے کار اور احباب کی بدولت میرا ادبی رجحان زندہ رہا اور میرا مجموعۂ کلام "سرودِ حیات" اور "جنگ نامہ" اشاعت کی منزل تک پہنچے اُن میں جناب سید علی جواد زیدی ڈپٹی پرنسپل انفارمیشن آفیسر پریس انفارمیشن بریو۔ جناب رام کرشن مضطر ایڈیٹر روزنامہ ملاپ، جناب ارونا بسواس جائنٹ ڈائرکٹر آف ایجوکیشن، جناب بیکنٹھ ناتھ چترویدی ڈپٹی ڈائرکٹر آف ایجوکیشن، پروفیسر اودی چند ناز ڈپٹی ایجوکیشن آفیسر، جناب محمد قمر فرشوری پرنسپل جناب امر ناتھ سرس پرنسپل کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

آنسو بہا کے آج شہیدوں کی یاد میں
شامل ہوا ہے رازؔ وطن کے جہاد میں
میرا ز ہے نصیب جو منظور ہو سلام
لفظوں کے چند پھول میں شردھا کا اہتمام

رازؔ سرحدی
۱۵ اگست ۶۳ء

نورِ صداقت

مریادہ پرشوتم بھگوان رام کی راون پر فتح کی منظوم جھلک

ہے عکسِ فطرتِ خاکی یہ گردشِ دوراں
کبھی رہا ہے اندھیرا، کبھی اُجالا ہے

رازؔ

نکھرا ہے کائنات کا جب سے یہ رنگ روپ
نیکی میں اور بدی میں ہمیشہ رہی ہے جنگ
نیکی رہی ہے باعثِ صد فخر و امتیاز
لیکن بدی کا قافیہ اکثر رہا ہے تنگ
بن کر رہے جہان میں نیکی کا نامہ بر
ہر دل میں ہے یہ آرزو ہر دل میں ہے امنگ
حیرت ہے پھر بھی پھولتے پھلتے ہیں بدقماش
رہتے ہیں نیک خو ہی زمانے میں جب کہ تنگ
بدکار ہیں غرور و تکبّر کے پاسباں
دُنیا ہیں نیک نامی اذیت کی داستاں

میرے ندیم عہدِ گذشتہ کی بات ہے

لنکا پتی تھا ایک مجسّمہ غرور کا

حاصل اگرچہ اس کو اجل پر تھا اقتدار

تھا واسطہ دماغ سے لیکن نہ دُور کا

گو بخت و تخت و تاج کی حاصل تھی ہر خوشی

ہر ذی روح پہ حکم تھا چلتا حضور کا

لایا چُرا کے رام کی سیتا کو ایک دن

چھوٹا جو اُس کے ہاتھ سے دامن شعور کا

کندھوں پہ تھا مے گو وہ سر پُر غرور تھا

وہ بھی نشے میں زعمِ حکومت کے چُور تھا

خوشحالیوں کا دور تھا حاصل تھی ہر خوشی

لنکا کہ تھی جہان میں سونے کی کائنات

ہر فرد کو وہاں کے میسّر تھیں نعمتیں

ہر دن وہاں کا عید تھا ہر رات شب برات

عیش و طرب کی سب تھیں مہیا سہولتیں

دو چار دس کی بات نہ تھی سو تھیں بیگمات

رقص و سرود و ساقی و میخوار و میفروش

لنکا نریش کے رہے شاہی مطالبات

لنکا تھی یا کہ دہر میں ایک عالمِ بہار

ہر گھر چمن تھا شہر تھا ہر ایک لالہ زار

چودہ برس کے واسطے آ کر ہوئے مقیم

جنگل میں رام بھیس میں سادھو کے تاجدار

ہر گام پر نثار بہاروں کے قافلے

ہر شاخ گلفروش تھی ہر کھیت مرغزار

بھائی کا پیار بیوی کا حُسنِ وفا تھا ساتھ

قدموں پہ بن کی ہر خوشی ہوتی رہی نثار

قائم رہے گا جب تلک قائم ہے کائنات

منظر یہ پریم پیار کا فطرت کا شاہکار

چرچے رہیں گے رام کی بھگتی کے پیار کے

ڈنکے بجا کریں گے رگھو کل وقار کے

گو رام ایک عالمِ ذی فہم و ہوشمند

بھگوان خود ہی آئے تھے انساں کے رُوپ میں

تھے صبر و اقتدار کے اِک بحرِ بیکراں

چھاؤں میں پُرجمال تو پُرکیف دھوپ میں

جو بھی لے دیکھ آپ پہ تن من سے ہو نثار

وہ دلکشی تھی آپ کے سادہ سروپ میں

دسرتھ کا بالیقین تھا اقبال سربلند

بھگوان جس کو مل گئے بیٹے کے روپ میں

ہوتی پرستش آج بھی ہے اُن کے نام کی

سیتا کو بھی تھا ناز کہ بیوی تھی رام کی

بھگوان تھے تو سیتا کے شوہر بھی رام تھے

راجہ جنک کی راج دلاری وہ مہ جبیں

قاموں میں آکے رام کے جنگل کیا قبول

سب نعمتوں کو چھوڑ کر کُٹیا میں تھی مکیں

کانٹوں کو پھول مان کر رہنا پتی کے ساتھ

صد مرحبا او ہند کی ناری صد آفریں

جس کُل میں سنیا رام لکھن کا ہوا ملاپ

وہ کُل تھا خوش نصیب زمانے میں بالیقیں

سیتا ہرن کا پاپ تھا لنکا پتی کے نام

مجبوریوں میں جانبِ لنکا بڑھے تھے رام

ذلت پنپ رہی تھی جہالت کو تھا عروج
لنکا میں بد دماغی کے تھے مرتبے بلند
ہوش و خرد کا ملک کی جیلوں میں تھا قیام
بدکار و بدقماش کا اقبال تھا بلند
جرأت کسے جو گامزن ہو راہِ راست پر
کس کی مجال ہو جو صداقت پہ کاربند
روئے اگر کوئی بھی تو کس کے دوار پر
راون کے تھے غرور سے ہوش و حواس بند
محفوظ مال و زر تھا نہ شرم و حیا عزیز
جلتی ہوس کی آگ میں بیگم ہو یا کنیز

ظلم وستم سے فوج کے رعیت تھی بے قرار
اِس راکشی نظام سے بیزار تھے عوام
گھر گھر گلی گلی تھی مصیبت کی داستان
دُکھ درد کی روایتیں تھیں محفلوں میں عام
شرم وحیا سے عاری تھے دوشیزگی کے دن
تھی اک حدیثِ بیکسی نسوانیت کی شام
لنکا میں حکم عام یہ لنکا پتی کا تھا
"ہو گی سزا اگر کوئی لے گا خدا کا نام"
چھائی ہوئی تھیں حسرتیں باغ و بہار پر
خوف و ہراس سایہ فگن روزگار پر

بن میں تھے رام سیتا لکھن کو لئے ہوئے

پھل پھول پیڑ چاند ستاروں کا ساتھ تھا

جنگل پہاڑ پنکشی مناظر وہ دل نشیں

بھارت کی سرزمین پہ بہاروں کا ساتھ تھا

والی وہ تخت وتاج کا کٹیا میں تھا مکیں

فطرت کے دلفریب نظاروں کا ساتھ تھا

جنگل کے جانور تھے اشاروں کے منتظر

بن راجے تھے بن راجکماروں کا ساتھ تھا

پایا جہاں نے پریم اور بھگتی کا اقتباس

پتھروں میں گویا رام کے شکتی کا تھا نواس

دریا، پہاڑ، پھول پھل جنگل کے جانور

سیتا ہرن کے صدمے سے سب بیقرار تھے

غصّے کی ایک لہر تھی ہر دل میں موجزن

بدلے کی آرزو میں سبھی ذوالفقار تھے

دھرتی پہ گو ہر آنکھ کو سیتا کی تھی تلاش

بَن نوحہ گر تھے رہگذر بھی اشکبار تھے

افسردہ دیکھ رام کو فطرت بھی تھی اُداس

غمگیں چمن تھے لالہ و گُل سوگوار تھے

بانر جوان رام کی عظمت کا پاسباں

بن کر وہ دُوت رام کا لنکا ہوا رواں

لنکا جہاں پہ جستجوِ انساں کی تھی محال
اُک راکششی نظام میں عہدِ کفار تھا
بہتات مال و زر کی تھی اور عقل کی کمی
اہلِ ہوس کا تیز وہاں کاروبار تھا
بھائی کو بھائی کی بھی عقیدت نہ تھی نصیب
کوئی کسی کا دوست تھا نہ غمگسار تھا
ہر مرد تھا مجسّمہ گناہِ عظیم کا
ہر ناری اک ہوس کا نمایاں مزار تھا
لنکا نواسیوں کا یہ عالم یہ حالِ زار
اس بیکسی پہ روئے ہنومان زار زار

پربت کی آڑ میں جو بسیرے تھے پھول کے

مشہور تھے جو سونے کی لنکا کے نام پر

چھوٹا سا اک چمن تھا بہاریں لئے ہوئے

فردوس کو بھی رشک تھا حُسنِ نظام پر

سمٹی ہوئی بہار کے دامن میں دامِ گُل

فطرت کا اک قصیدہ تھا ساقی و جام پر

سیتا جہاں پہ قید تھی راون کے حکم سے

پہونچا سفیر رام کا بھی اُس مقام پر

کُنجِ قفس میں اجنبی آئے جو روبرو

ٹپکا نگہ سے خونِ تمنائے جستجو

سیتا کی بیکسی کا بھی عالم نہ پوچھئے

تھا حسرتوں کا تعزیہ کون و مکان میں

بے پردہ رگھوبنس کی عصمت کا تھا وقار

یا مرثیہ تھا ہند کی ناری کی شان میں

یوں دیکھ سیتا ماتا کو قیدی کے رُوپ میں

بانز جوان پڑ گیا اک امتحان میں

غصّے سے اُس کی آنکھوں میں آیا لہو اُتر

کرکے اجاڑ رکھ دیا گلشن کو آن میں

بانز جوان تیری عقیدت پہ ہم نثار

قائم رہے گا تا ابد بھگتی کا یہ وقار

آپے سے باہر ہو گئے غصے میں طیش میں
لنکا پتی نے جب سنا اِس دُردشا کا حال
پوچھا ہے کون بدتمیز؟ آیا کہاں سے ہے؟
جُرات ہوئی یہ کس کو ہے کس کی ہے یہ مجال؟
صد حیف اہلِ لنکا کا یہ بیکسی کا روپ
صد مرحبا ہے بن کے بھکاری کا یہ کمال
پھل پھول پیڑ ہی کوئی جڑ سے اکھاڑ دے
جس باغ میں پہنچنا ہی پکشی کا ہو محال
لاؤ پکڑ کے سامنے اُس بد دماغ کو
جس نے بُجھا کے رکھ دیا جلتے چراغ کو

لنکا پتی کے حکم کی تعمیل کے سروپ
لایا گیا حضور میں اُس نوجوان کو
آنا اُس پُر جلال کا راون کے سامنے
دہرانا گویا ماضی کی تھا داستان کو
کٹنا وہ ناک بہن کی لچھمن کے ہاتھ سے
چلا چڑھانا یومِ سوئمبر کمان کو
بولے کہ بدتمیز کی دُم کو لگا دو آگ
یکسر مٹا دو رام کے نام و نشان کو
برتاؤ نیچ دوت سے اُس بدقماش کا
یہ حکم گویا حکم تھا لنکا کے ناش کا

لنکا نواسی اُس کو سمجھتے تھے ایک کھیل

جل کر اُچھلنا کودنا بانر جوان کا

مِل کر بجانا تالیاں اُن کا مذاق میں

دینا ہوا گو آگ کو تھا کاروان کا

آتش کی کُود پھاند سے گھر گھر لگی جو آگ

اعجاز یہ بھی کم نہ تھا شکتی مہان کا

محشر کا اِک نظارہ تھا راون کے روبرو

انجام سوزناک تھا اُس داستان کا

لنکا کا ہونا خاک یوں، ہنسی مذاق میں

مل جانا تھا غرور کا راون کے خاک میں

سیتا کی بے قراری کا راون کی قید میں
بانر جواں نے رام کو لا کر دیا سُراغ
سنتے ہی اُس مقامِ حوادث کی یاترا
دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینے کے اُبھرے داغ
آنسو چھلک رہے تھے نگاہوں میں رام کی
سُن ہو گئے تھے عالمِ سکتہ میں تھا دماغ
تھی اک طرف تو سیتا تصور میں رو برو
اور دوسرے تھا لنکا کا بُجھتا ہوا چراغ
اک کشمکش تھی آنکھ سے آنسو بھی تھے رواں
اور جُھک رہا تھا قدموں پہ جنگل کا کارواں

باسوز و ساز جانب لنکا بڑھے قدم
بن جل رہا تھا گویا لکھن کے کمان میں
ہر دل میں سرفروشی کی اُٹھتی ہوئی اُمنگ
سر وارنے کی آرزو ہر نوجوان میں
شانہ بشانہ کارواں در کارواں چلے
کیا بڑھ رہے ملا کے قدم تھے وہ شان میں
ہے کامرانی چومتی ہر گام پر قدم
ہوتی ہے گامزن جو جوانی کمان میں
بن واسیوں کا رام کی تقلید میں وقار
اک شان تھی رواں کہ تھا فطرت کا شاہکار

انگد نے رام دوت کا منصب لیا سنبھال
دامن میں جبکہ لنکا کے پہنچا وہ کارواں
راون سے جا کے مانگ کی سیتا کی واپسی
چاہا لے روک جنگ کا بڑھتا ہوا دھواں
لیکن ہے سچ غرور و تکبر کی لاش میں
ہوتا کہاں دماغ ہے؟ حُسنِ عمل کہاں؟
راون کو اب بھی ناز تھا اہل و عیال پر
فوجوں کی برتری پہ تھا نازاں وہ بیگماں
حاسد تھا وہ ازل سے شجاعت کا رام کی
اور دل میں آگ جل رہی تھی انتقام کی

بھینے لگا کہ بن کے بھکاری کی یہ مجال

لنکا پتی سے لڑنے کو ہے آج بیقرار

سیتا ہے آج لنکا پتی کے محل کی شان

اُس مہ جبیں کو بن سے نہیں کوئی سروکار

بہتر ہے جائے خیر منائے وہ جان کی

سیتا سے کیسا واسطہ کیونکر اُسے ہے پیار

ایسا نہ ہو کہ راکشوں کی ٹولیاں بھیں

کر ڈالیں رام راج کے خوابوں کو تار تار

لنکا یہ حملہ آوری خالہ کا گھر نہیں

کیا نا سمجھ ہے ؟ رام کو آتا نظر نہیں

سُن کر ببھیکشن نے یہ بھائی کی گفتگو

چاہا کہ اُس کو لائے ذرا راہِ راست پر

کی التجا حضور ہے بخشش یہ آپ کی

پھر سے اگر ہو غور جو انگد کی بات پر

زن ۔ زر ۔ زمین ہی رہے ہیں باعثِ فساد

جب سے ظہور اِن کا ہوا کائنات پر

لڑنا تمھارا غیر کی بیوی کے واسطے

ٹیکا کلنک کا ہے یہ راون کی ذات پر

کر کے رہا جو سیتا کو ہو جاؤ سرخرو

ہو جائے پوری رام کے دل کی بھی آرزو

راون جسے غرور تھا طاقت پہ فوج کی
حاصل مگر اجل پہ بھی سب اِقتدار تھا
مشہور گھر تھا سونے کی لنکا کے نام سے
بہتاتِ مال و زر کا بھی رہتا خمار تھا
لاکھوں ہیں جس کے اپنے ہی اہل وعیال تھے
فوجوں کا بھی نہ آپ کی کوئی شمار تھا
اَن گِنت ہی تھے ہاتھیوں گھوڑوں کے قافلے
ہر نوجوان لنکا کا اک شہ سوار تھا
آیا جو طیش بھائی کی سنجیدہ بات پر
غصّے میں بھر برس پڑے اُس کائنات پر

چاروں طرف سے جنگ کے جھنڈے ہوئے بلند

میدانِ کارزار میں فوجیں تھیں رُو بہ رُو

تیر و کمان تھام کے آگے بڑھے جو رام

سیتا کی دل کو آنکھ کو روان کی جستجو

ایسا نہ ہو کہ رام پہ کوئی اٹھائے ہاتھ

بڑھ کے لکھن بھی ہو گئے راون کے روبرو

اس کشمکش میں روکنا چاہا جو وار کو

صد حیف پوری ہو گئی راون کی آرزو

کھائی لکھن نے چوٹ ہوئے رام بیقرار

بیٹھے سرہانے بھائی کے روتے تھے زار زار

بانرجواں نے مضطرب دیکھا جو رام کو
ہو کے قریب، جُھک کے بصد عجز و انکسار
کی التجا، اگر ہو اشارہ حضور کا
آکر جھکیں جناب کے قدموں پہ کوہسار
شب بھر میں پھر ہمالہ سے لاکر سنجیونی
صبارِ وفا پہ مخزنِ فطرت کئے نثار
بانرجواں کے عزم و عقیدت کی داستاں
دائم رہے گی باعث صد رشک و افتخار
صد آفریں ہے پیکرِ خدمت کا یہ کمال
اک معجزہ ہے رام کا عالم میں لامثال

آخر وہی ہوا جو تھا منظور رام کو
لنکا پتی بھی جنگ میں قربان ہو گئے
تھے خوش نصیب رام کے ہاتھوں ملی نجات
جنت میں ٹھیرنے کے بھی سامان ہو گئے
لنکا کا راج تھا یہاں جنت وہاں نصیب
راون کے پورے بالیقیں ارمان ہو گئے
کچھ تو ضرور مصلحت سیتا ہرن میں تھی
جب راز یہ کھلا سبھی حیران ہو گئے
عصمت کا دان اور کسی بے پناہ کو
کارِ ثواب کر گیا عزم گناہ کو

تھا وقت جب تھا لنکا پہ راون کا اقتدار
دن رات تھے غلام بہاروں پہ راج تھا
تھے آسمان زمیں بھی اشاروں کے منتظر
بامِ فلک کے چاند ستاروں پہ راج تھا
سکّہ تھا بحر و بر پہ حکومت کا آپ کی
چاروں طرف کے باجگذاروں پہ راج تھا
فرماں روا تھا زیست و اجل کے نظام پر
فطرت کے برگزیدہ نظاروں پہ راج تھا
صد حیف ہو کے راہِ ندامت پہ گامزن
پل میں مٹا کے رکھ دیا لنکا کا بانکپن

جنگ و جدل کا باہمی جب خاتمہ ہوا

میدانِ کارزار سے فوجیں ہٹالیں دُور

سیتا کو پھر سے رام کا ملنا ہوا نصیب

راون کے اقتدار کا عنقا ہوا غرور

جھکنے لگی جو لنکا بھی قدموں پہ رام کے

لنکا نواسیوں کے ہوئے معاف سب قصور

بھائی بھبھیکشن جو تھے راون کے جانشیں

لنکا پہ اقتدار کا اُس کے ہوا ظہور

امن و اماں کی پھر نئی صورت عیاں ہوئی

لنکا سے فوج رام کی آخر رواں ہوئی

راہِ وفا پہ رام جو ہوتے ہیں گامزن
سیتا لکھن تھے ساتھ ہنومان ساتھ تھے
ہر گام پہ بہاریں وطن کی نثار تھیں
دیتے رہے اشاروں پہ جو جان ساتھ تھے
بر آئی بالیقین تھی ہر دل کی آرزو
جن کے ہوئے تھے پورے سب ارمان ساتھ تھے
جاہ و جلال و عظمت و اقبال تھے نصیب
رگھو کُل وقار کے سبھی سامان ساتھ تھے
بن باس سے تھا لوٹنا شاہِ وقار کا
آنا تھا گو اجودھیا میں پھر سے بہار کا

آئے وہ پھر سے شان سے شاہی وقار سے
بن کر فقیر نکلے تھے گرچہ وطن سے رام
تھے عزم و اقتدار کے عالم لئے ہوئے
عظمت کا لوٹنا تھا کہ آئے تھے بن سے رام
لوٹی مگر اجدھیا میں پھر سے بہار تھی
لپٹا چمن تھا رام سے یا تھے چمن سے رام
گھر گھر میں پھر سے جشنِ چراغاں تھا ہند میں
سیتا لکھمن کے ساتھ جو آئے تھے بن سے رام
دیپاولی تھی راج تلک تھا یہ رام کا
تھا جشنِ تاجپوشی اُس عالی مقام کا

نیکی کا اور بدی کا ہے یہ اک مکالمہ
کہتے ہیں جس کو جنگ تھی راون کی رام سے
نفرت سے تھوکتے ہیں بدی کے نظام پر
نیکی کو دیکھتے ہیں بڑے احترام سے
نسبت کوئی نظام میں قدرت کے ہے اگر
نیکی کو جو بدی سے سحر کو ہے شام سے
اکثر طواف ہم نے کیے میکدوں کے ہیں
کر پائے ہم الگ نہیں ساقی کو جام سے
راون پہ بالیقین جو نصرت تھی رام کی
نیکی کے ہاتھوں ہار بدی کے نظام کی

اک عہدِ زر نگار تھا بن باس کا قیام
اور اُس پہ لنکا کانڈ تھا شہکار رام کا
راون کے اقتدار کے سائے فنا ہوئے
روشن مثالِ طور ہے کردار رام کا
چرچا ہے رام راج کا سرمایۂ سکوں
ہر مرغزارِ زیست تھا گلزار رام کا
شاہِ وفا کا 'نورِ صداقت' تھا ہر قدم
ہر معرکہ تھا مطلعِ انوار رام کا
قائم دیارِ ہند میں پھر سے ہو رام راج
اہلِ وطن کو باعثِ راحت ہوں تخت و تاج

عدل و انصاف کے معراجِ یقیں نے ہمدم

توڑ کر رکھ دیں زمانے میں صفیں باطل کی

رآز

دورِ وفا

... جدوجہد آزادی کی منظوم تواریخ

جس آرزو میں ہم نے لٹائے تھے کارواں

صد حیف دورِ زیست اُس کا ترجماں نہیں

راز

کوئی جب قوم اپنی زیست سے بیزار ہوتی ہے
عزیزانِ وطن سے برسرِ پیکار ہوتی ہے
ہر اک کاوش سکوں کی باعثِ آزار ہوتی ہے
زمانے کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہوتی ہے
گنوا کر حُریت اغیار کی محکوم ہوتی ہے
خدا کی نعمتوں سے سربسر محروم ہوتی ہے

پ

عطا ہوتی ہے قوت پھر وطن کے نوجوانوں کو
جلا کر خاک کر دیتے ہیں نفرت کے ٹھکانوں کو
سنا کر عظمتِ عہد گزشتہ کے فسانوں کو
بدل دیتے ہیں گذری زندگی کی داستانوں کو
ہر اک آواز اُن کی لائقِ تعظیم ہوتی ہے
نئے سر سے وطن اور قوم کی تنظیم ہوتی ہے

کبھی اس دیش پر بھی غیر کی فرماں روائی تھی
غلامی تھی درِ دشمن پہ ہر دم جبہ سائی تھی
عجب تصویر ہم نے اپنے ہی ہاتھوں بنائی تھی
سراپا بیکسی ، بے اعتمادی ، بے نوائی تھی
خود آرا ، خود نما تھے خود غرض خود بیں ہم کل تک
خود اپنی ہی نظر میں باعثِ توہین ہم کل تک

۴

عجب انداز سے ہم نے گذاری زندگی اپنی
جہاں میں باعثِ توہین و ذلت بیکسی اپنی
کھٹکتی تھی زمانے کی نگاہوں میں کمی اپنی
خدا کو بھی نہ تھی منظور شاید بہتری اپنی
بدلتی کچھ نظر آتی نہ تھی حالت زمانے کی
فلک نے پھونک دی تھیں تیلیاں تک آشیانے کی

تمنا تھی کوئی گیتا سنانے کے لئے آئے
ہمیں اِس خواب غفلت سے جگانے کے لئے آئے
خودی کے راز سے واقف بنانے کے لئے آئے
وطن کے نام پر مرنا سکھانے کے لئے آئے
ہمیں آگاہ کر دے کاش کوئی اپنی ہستی سے
سہارا دے کوئی تو ہم بھی نکلیں قعرِ پستی سے

ڞ

زمیں سے چاند تاروں تک بھی جا پہنچی صدا اپنی
فلک سے جا کے ٹکرانے لگی بانگِ درا اپنی
فرشتوں نے بھی سُن لی مہرباں ہو کر دعا اپنی
حضورِ حق ہوئی منظور آخر التجا اپنی
ہوا احساس اپنی بے بسی کا نوجوانوں کو
ذرا سا ہوش جب آیا وطن کے پاسبانوں کو

جوانانِ وطن نے کرلیا جب عزم آزادی
ہوئی ہندوستاں میں پھر سے قائم بزم آزادی
مبارک جذبۂ شوقِ شہادت جزم آزادی
مبارک وہ ظہورِ ابتدائے رزم آزادی
مبارک گوکھلے کا رہنمائے انجمن ہونا
تلکؔ بھگوان کا راہ عمل پر گامزن ہونا

*

سجا کر شمع آزادی سے ظلمت کے ٹھکانوں کو
سرودِ زندگی بخشا ضعیفوں ناتوانوں کو
بدلنے کے لئے جور و ستم کی داستانوں کو
جگایا خوابِ غفلت سے وطن کے نوجوانوں کو
مبارک جذبۂ حبِ وطن اے قوم کے شیدا
مبارک سرزمینِ جس پر ہوئے لکھمانیہ پیدا

پتنگے دیش سیوا کے اُٹھے نذریں چڑھانے کو
بڑھے سب جذبۂ شوقِ شہادت آزمانے کو
مٹا کر اپنی ہستی قوم کا رتبہ بڑھانے کو
نیا جیون، نئی بستی، نئی دنیا بسانے کو
جواں دل خوں کی آہوتیاں دینے کو آپہنچے
بلائیں شمعِ آزادی کی خود لینے کو آپہنچے

۴

نیا طرزِ عمل دیکھا وطن کے جاں نثاروں کا
فقیرانہ لنگوٹی پر سلیقہ تاج داروں کا
تصور رہنما تھا دیش کی رنگیں بہاروں کا
عجب اندازِ مستی تھا وفا کے میگساروں کا
شرابِ جذبۂ حُبِّ وطن سے بھر کے پیمانے
کفن باندھے ہوئے سر سے چلے میداں کو دیوانے

صفِ اول کے جاں بازوں میں گاندھی جی نظر آئے
زر و آرام و عشرت قوم پر قربان کر آئے
نئے تیور سے آزادی کے یہ پیغام بر آئے
بدلنے کے لئے اِس دیش کے شام و سحر آئے
پرستارِ وفا آئے تمنائے وفا لے کر
نوائے دل نشیں لے کر صدائے دلربا لے کر

ؔ

نئے اِک انقلابی دَور کی روحِ رواں گاندھی
علم بردارِ آزادی، دلوں کا حکمراں گاندھی
وطن کے بیکسوں کی اِک مُجسّم داستاں گاندھی
بزرگوں میں بزرگ اور نوجوانوں میں جواں گاندھی
بلا کی سادگی اور اُس پہ طُرہ بے نیازی کا
سراپائے خودی اوڑھے لبادہ مردِ غازی کا

وہ شانِ بے نیازی جس پہ قرباں ہو شہنشاہی
فضائے عظمتِ عہدِ گذشتہ لوٹ کر آئی
بلا تفریقِ مذہب سرفروشی کے تمنائی
کھڑے شانہ بشانہ لاجپت رائے، علی بھائی
نثارِ قوم موتی لال بھی تھے، مالوی بھی تھے
جناح۔ آزاد۔ انصاری بھی تھے آصف علی بھی تھے

۵

اِسی راہِ عمل پر گامزن پایا ہزاروں کو
اِسی حسرت نے تڑپایا وطن کے ماہ پاروں کو
یہی دُھن تھی کہ لائیں عرشِ اعظم سے ستاروں کو
خود اپنے خون سے سینچیں چمن کے لالہ زاروں کو
شہیدانِ وفا کی ضو سے محفل جگمگا اُٹھی
وطن کے گوشے گوشے سے صدائے مرحبا اُٹھی

اِدھر اکبرؔ نے للکارا وطن کے نوجوانوں کو
اُدھر اقبالؔ نے چھیڑا خودی کی داستانوں کو
اُٹھے چکبستؔ لے کر سرفروشی کے فسانوں کو
عطا ٹیگورؔ نے کی نغمگی قومی ترانوں کو
اُبھارا جوشؔ نے جوشِ جوانی جاں نثاروں کا
تصور ہی بدل ڈالا وطن کی نو بہاروں کا

۵

ہوئی اک آگ سی پیدا بنی آدم کے سینوں میں
عقیدت سے بھرے سجدے اُمڈ آئے جبینوں میں
تلاطم ہو گیا برپا مچی ہلچل سفینوں میں
دنوں میں کر کے دکھلایا جو کرنا تھا مہینوں میں
بھگتؔ سنگھ اور اس کے ہمنوا میدان میں آئے
جوانانِ وطن اپنی نرالی شان میں آئے

بڑھے وہ سوئے مقتل زورِ قاتل آزمانے کو
ہتھیلی پر لئے سر دیش کی نذریں چڑھانے کو
مٹا دی اپنی ہستی قوم کا رتبہ بڑھانے کو
خودِ اپنے خون سے لکھا شہادت کے فسانے کو
ستائش تا ابد ہوگی وطن پہ مرنے والوں کی
حیات جاوداں خاکِ قدم ہے باکمالوں کی

۴

فضا میں گونج اُٹھے انقلاب و عزم کے نعرے
اٹھا اک زلزلہ ہلنے لگے دیوار و در سارے
نگاہوں میں اُتر آیا لہو پھر درد کے مارے
حکومت روک سکتی تھی کہیں طوفاں کے دھارے؟
ستمگر سے اُلجھنے کو وفا کے کارواں پہنچے
کفن باندھے ہوئے سر سے وطن کے نوجواں پہنچے

انھیں راہوں پہ اپنی جلیاں والے باغ بھی آئے
انھیں راہوں پہ چھائے توپ اور تلوار کے سائے
قصہ خوانی و کاکوری کے جب بھی مرحلے آئے
جوانانِ وطن نے معجزے ہمت کے دکھلائے
کئے محشر بپا ہم نے نیابت کے سفینوں میں
ہزاروں نے جگہ دی گولیوں کو اپنے سینوں میں

٭

اُدھر سرحد میں للکارا عدو کو سرخپوشوں نے
اُٹھایا سر اِدھر بنگال میں بھی سرفروشوں نے
فنا کی ٹھان لی گجرات کے آفت بدوشوں نے
زمیں پنجاب کی سینچی لہو سے سخت کوشوں نے
اُدھر کشمیر میں بھی زندگی نے کروٹیں بدلیں
غلامی کی سلاخیں سندھ نے بھی توڑ کر رکھ دیں

پٹیل۔ آزاد و نہرو۔ بابو راجندر۔ پنتھ بھائی
غفار و ذاکر و آصف وہ راجہ جی وہ ڈیسائی
صف آرا ہو گئے جتنے تھے آزادی کے شیدائی
بلا تفریقِ مذہب جاں نثاری کی قسم کھائی
چلا یہ کارواں سالارِ اعظم کے اشاروں پر
زمیں پر تھے قدم لیکن نگاہیں تھیں ستاروں پر

۹

حکومت کو کیا عاجز نہتے جاں نثاروں نے
کمندیں ڈال دیں بامِ فلک پر خاکساروں نے
شہیدانِ وطن پر پھول برسائے بہاروں نے
تو بڑھ کر دیش بھگتوں کے قدم چومے ستاروں نے
بلا کا تھا بھروسہ زورِ بازو پر جوانوں کو
بدل کر رکھ دیا جور و ستم کی داستانوں کو

غلامی پاؤں جکڑے تھی مگر انسان باقی تھے
کئے تھے ماتری بھومی سے وہ پیمان باقی تھے
ابھی تو جلیاں والے باغ کے ارمان باقی تھے
اُودھم سنگھ۔ ویر ساورکر سُبھاش و خان باقی تھے
یہ غیرت کا تقاضہ تھا بدل دیں داستانوں کو
جلا دیں طاقتِ برطانیہ کے آشیانوں کو

ﭗ

جوانانِ وطن جوشِ جنوں میں اُٹھ کے للکارے
بیک آواز "چھوڑو ہند" کے لگنے لگے نعرے
"چلو دلی" کے سامان نیتا جی نے کر دیئے سارے
مبارک کوثر و گنگا کے جب ملنے لگے دھارے
وہی اِک موج تھی کشمیر سے کنیا کماری تک
فدائے قوم تھے سب شاہ سے لیکر بھکاری تک

اُٹھا اپنا وطن خوابِ گراں سے لے کے انگڑائی
نشے میں زندگی جھومی جوانی جوش پر آئی
پرستارانِ آزادی، شہادت کے تمنائی
محبانِ وطن ہندو مسلم، سکھ عیسائی
بڑھے جب قافلہ در قافلہ لاکھوں ہزاروں میں
درا ڑیں پڑ گئیں ایوان شاہی کی دیواروں میں

٭

وہ شاطر حکمراں واقف تھا سو حیلوں، بہانوں سے
اُسے نفرت تھی کمزوروں سے مزدوروں کسانوں سے
وطن کو لوٹتا تھا سامراجی کارخانوں سے
تعصب کی لگا کر آگ نفرت کے فسانوں سے
جلا کر پھر اسیرانِ چمن کے آشیانوں کو
لگا دہرانے وہ مہر و وفا کی داستانوں کو

بھلایا اُس نے ماضی کے جوابوں کو سوالوں کو
حکومت کے نشے کو اور تکبر کے خیالوں کو
مخاطب یوں کیا صحنِ چمن کے نونہالوں کو
"مبارک ہوں وطن کی یہ بہاریں ہند والوں کو"
"ہے شرمندہ حکومت کارہائے دور ماضی پر"
"رہے گا ناز برسوں ہند کو مہماں نوازی پر"

ﷺ

"مبارک قطب کی اور تاج کی یہ سرزمیں تم کو
مبارک وادیٔ کشمیر جیسی نازنیں تم کو
سرودِ رودِ گنگا اور ہمالہ کی جبیں تم کو
مبارک ہوں وطن کے یہ مکاں تم کو مکیں تم کو
نظامِ حکمرانی ہند والوں کو مبارک ہو
وطن کی پاسبانی ہند والوں کو مبارک ہو

یہ ممکن ہے تبھی جب رہنمایانِ وطن مل کر
شریکِ انجمن ہوں سب درونِ انجمن مل کر
سنواریں آشیاں اپنا اسیرانِ چمن مل کر
حکومت کو سنبھالیں ہمصفیر و ہم سخن مل کر
یہ تفریقِ و عنادِ مذہب و ملت بُھلا ڈالیں
سلوکِ باہمی پر پھر حکومت کی بِنا ڈالیں

۵

تغیر رونما ہونے لگا پھر ناخداؤں میں
صلاح و مشورے باہم ہوئے تب رہنماؤں میں
نیا منظر نظر آنے لگا ہر سو فضاؤں میں
تکبر کی جھلک تھی سرفروشی کی صداؤں میں
وہ جوش و ولولہ جو کل تھا رہبر نوجوانوں کا
لگا پھر تھامنے دامن بدیشی حکمرانوں کا

وہی جو کل تھے ہندی اور آزادی کے شیدائی
وطن کی عظمتِ عہدِ گذشتہ کے تھے سودائی
خودی جن سر فروشوں کی خطاؤں سے تھی ٹکراتی
وہی اب بن گئے ہندو و مسلم۔ سکھ و عیسائی
زباں مذہب عقیدت فرقہ بندی کے اداروں نے
اُٹھایا سر تو سر اپنا جھکایا جاں نثاروں نے

ٔ

کوئی اسلام پر نازاں کوئی ہندو کے ایماں پر
کوئی بن کر اکالی چڑھ گیا غفلت کے ایواں پر
لگا احرار کا تمغہ کہیں جیب و گریباں پر
سبھا اور لیگ کے دھبے وطن کے پاک داماں پر
نمایاں ہو گئے کچھ سنگ میں کچھ خاکساروں میں
تعصب بغض و نفرت جم گئے آکر قطاروں میں

سراسیمہ ہوا سالارِ اعظم اِن نظاروں پر
خزاں کے چھا گئے بادل وطن کی نوبہاروں پر
وطن کو ناز تھا جن آزمودہ جاں نثاروں پر
وہی رقصاں نظر آئے فرنگی کے اشاروں پر
کچھ ایسی دُھن سمائی تھی وطن پر حکمرانی کی
لگے قیمت چُکانے لوگ اپنی جانفشانی کی

ﷺ

ضلالت کا یہ عالم تھا وفا کے دعوےداروں کی
سجالیں پھر دُکانیں فرقہ بندی کے اداروں کی
شہادت بیچنے اُٹھے وطن کے جاں نثاروں کی
سرِ بازار نیلامی شہیدوں کے مزاروں کی
کہی بلبل نے گُل سے اور چمن تک بات جا پہونچی
قیامت تھی کہ تقسیم وطن تک بات جا پہونچی

بلند انگریز نے جھنڈے کئے مسلم نوازی کے
خطابوں سے نوازا پھر جناح کو سرفرازی کے
تعصب کے اُٹھے شعلے دلوں میں مردِ غازی کے
لبوں پر تھے قصیدے تُرک و شیرازی حجازی کے
دیا دھوکا یہ مسلم کو کہ ہے یہ حکمِ قرآنی
جُدا گانہ نیابت کی وطن میں لیگ نے ٹھانی

٭

دیا چیلنج جناح نے پھر فرنگی کی ہدایت پر
وطن کو بانٹنا ہوگا جداگانہ نیابت پر
چڑھا دو بھینٹ تم حُبِّ وطن کی اس قیادت پر
کہ یہ مبنی ہے "اسلامی" تمدن اور سیاست پر
جنونِ مذہب و ملّت نے پائی شہ جو سلطانی
تو دیوانے لگے کرنے تعصب کی نگہبانی

مسلماں کو اُبھرتا دیکھ سکھ بھی جوش میں آئے
رضاکارانِ دورِ نلوہ شاہی کے بڑھے سائے
ابھی تاریخ شاہد ہے کہ اپنے لاڈلے جائے
جنوں نے دیش کی خاطر تھے دیواروں میں چُنوائے
وطن کی بدنصیبی تھی کہ گردش تھی زمانے کی
اُنھیں بھی آج سُوجھی اِک علیحدہ آشیانے کی

۳

کشاکش باہمی ٹکراؤ اُس پر حکمرانوں سے
خدا ناراض تھا شاید وطن کے نوجوانوں سے
فرنگی کا بڑھا پھر حوصلہ اِن داستانوں سے
لڑایا ہندو مسلم کو تعصب کے فسانوں سے
لگایا شرپسندوں نے جو پاکستان کا نعرہ
بدل کر رکھ دیا تحریک آزادی کا رُخ سارا

نہ پوچھو رہنمایانِ وطن کے درد کا عالم
یہ غداری یقیناً تھی وطن میں باعثِ ماتم
پریشاں تھے اِدھر گاندھی اُدھر تھے نہرو اعظم
مگر اپنے عقیدوں پہ ابھی آزاد تھے قائم
پٹھانوں میں خلوصِ جذبۂ احرار باقی تھا
خودی میں خودنمائی کا ابھی تکرار باقی تھا

٭

مگر نادان ہندو اور مسلم کا تھا یہ عالم
جنونِ مذہب و ملت کے جس دم مل گئے سرگم
بھُلا کر باہمی اخلاص جو صدیوں رہا قائم
بہکنے یوں لگا جیسے نشے میں ہو کوئی پیہم
خلوص باہمی پر جب ہوئے حاوی شکوک اُن کے
قیامت پر قیامت تھی درندانہ سلوک اُن کے

مگر جب پڑ گیا انسان پر شیطان کا سایہ
تو خود شیطان بھی انسان کی وحشت سے گھبرایا
چھری، تلوار، چاقو، بیلچہ جو ہاتھ میں آیا
پڑوسی پر اٹھا کر کتنی بے رحمی سے برسایا
جہاں دیکھے تھے ہم سب نے سبو و جام کے منظر
انھیں گلیوں میں کوچوں میں تھے قتل عام کے منظر

۵

فریب مذہب و ملت سیاست کفر و ایماں کی
نہ ہندو کی حیا محفوظ تھی اور نہ مسلماں کی
وہ حالت ہو گئی انسان کے ہاتھوں سے انساں کی
کسی کو فکر تک باقی نہ تھی جیب و گریباں کی
مروت اور اخوت کا وہ قصہ پاک کر ڈالا
تعصب کی ہواؤں نے جلا کر خاک کر ڈالا

اُٹھے جب آگ کے شعلے محلوں اور مکانوں سے
تو باہر آ گئے پنچھی نکل کر آشیانوں سے
خدا محفوظ رکھے بغض و نفرت کے فسانوں سے
وطن داری ہراساں تھی وطن کے نوجوانوں سے
جنازے حسرتوں کے تھے تقاضے کُفر و ایماں کے
رواں تھے قافلوں پر قافلے ہندو مسلماں کے

۵

سفر لمبے. کٹھن وہ منزلیں خطرات راہوں میں
دلوں میں درد کے طوفاں لہو لرزاں نگاہوں میں
بہو بیٹی کسی کی دیکھ کر غیروں کی باہوں میں
تخیل خود بخود تحلیل ہوتا تھا کراہوں میں
قیامت پر قیامت تھی اُجڑ جانا گھرانوں کا
وہ ہر سُو منتشر ہونا ہزاروں خاندانوں کا

جنوں انگیز تھے کتنے فسانے بے نواؤں کے
یتیموں کی فغاں۔ شعلے تعصب کی چتاؤں کے
ہر اک جانب لگے اٹھنے جنازے جب وفاؤں کے
قدم تب ڈگمگا اٹھے ہمارے رہنماؤں کے
غضب ہے ناز تھا جن کو وفا کی داستانوں پر
وہی ایمان لے آئے تعصب کے فسانوں پر

ﭘ

فروغِ قتل و خوں آہ و فغاں اور حشر کا عالم
ہر اک کوچہ گلی مقتل۔ ہر اک گھر میں صفِ ماتم
اُدھر ہندو پریشاں تو اِدھر بیزار تھا مسلم
بلا سے ہو کوئی سالارِ اُمّت قائدِ اعظم
وفورِ رنج و غم فرطِ جنوں ادبار کے سائے
نظامِ زندگی کی ہر روش پر آ کے اٹھلائے

پریشاں تھے اگر قرآن کی تعلیم کے حامی
تو سرگرداں گرنتھ اور وید کی تعظیم کے حامی
جو سودائی تھے کل تک ملک کی تنظیم کے حامی
وہی تھے آج ہندو پاک کی تقسیم کے حامی
اُڑائے قوم نے آخر مذاق اپنی وفاؤں کے
بلند ہونے لگے شعلے تعصب کی چتاؤں کے

☆

یہ اندازہ نہ تھا ایسے تغیر رونما ہوں گے
محبانِ وطن قوم و تمدن پر فدا ہوں گے
پٹیل، آزاد تقسیم وطن کے ہمنوا ہوں گے
ہمارے خواب ہندو پاک میں جلوہ نما ہوں گے
وطن کی لاش پر رکھیں نئے آزادی کی بنیادیں
بہیں گے ہم وطن والے وطن والوں کی بیدادیں

تصور جن بہاروں کا کبھی تھا رہنما اپنا
جن آشاؤں کے دم سے تھا جواں عزمِ وفا اپنا
قدم راہِ عمل پر جس تمنا سے بڑھا اپنا
رہا جو باعثِ ایثار و عظمت حوصلہ اپنا
وہ سب کچھ خواب تھا تعبیر جس کی نکلی رسوائی
پرستارِ وطن تھے ہم حقیقت میں کہ سودائی

ﷲ

کہاں سے ہم کہاں پہنچے نشے میں کامرانی کے
وطن کے کر دیئے ٹکڑے ہوس میں حکمرانی کے
یہی انجام تھے کیا ؟ دلیش بھگتی کی کہانی کے
کریں گے رہنما سودے ہماری جانفشانی کے
یہ باپو کے لئے ناقابلِ تسلیم تھا یارو
مگر تقدیر میں تو محشرِ تقسیم تھا یارو

عوام الناس نے بھی کی خود اپنے ہی سے غداری
مذاہب کے بہانے سے روا رکھی سیہ کاری
یتیموں کی فغاں، بیواؤں کی آہیں دل آزاری
قیامت کے مناظر قتل و خوں کی گرم بازاری
مظالم راہِ حق میں بے نواؤں ناتوانوں پر
گرانا بجلیاں اہلِ چمن کے آشیانوں پر

۵

کبھی نازاں تھے باپو جن بہادر ناخداؤں پر
انھیں کے ہاتھ سے چھوٹے سفینے جب بہاؤں پر
تو مل کر ہاتھ روئے زندگی کی دھوپ چھاؤں پر
اور آکر طیش میں برسے وطن کے رہنماؤں پر
کہا للکار کر ہر دو مذاہب کے جوانوں سے
توقع یہ نہ تھی ہرگز وطن کے پاسبانوں سے

کہ وہ خود باعثِ بربادیٔ ہندوستاں ہوں گے
عناد و بغض و نفرت کی مُجسّم داستاں ہوں گے
وہ ننگِ قوم، ننگِ دین و ننگِ خانداں ہوں گے
زمانے کی نگاہوں میں جہالت کا نشاں ہوں گے
کریں گے ظلم تو انسان خود ہی نسلِ انساں پر
مگر الزام رکھے جائیں گے گیتا و قرآں پر

۴

ستم ہے نام پر مذہب کے واجب ہوں جو بیدادیں
دہائی ہو ہر اک گھر میں ہر کوچہ میں فریادیں
ہماری جستجوئیں ہوں فنا کاری کی بنیادیں
دفورِ رنج و غم کی داستانیں حشر کی یادیں
زمانے کے لئے مذہب تو رہبر ہو صداقت کا
مگر صد حیف اہلِ ہند پر ہو طوق لعنت کا

جوانانِ وطن ڈوبے ہوئے تھے بغض و کینے میں
بھڑک اٹھی تعصب کی جوالا اُن کے سینے میں
اُٹھے جب آگ کے شعلے مروت کے سفینے میں
تو گولی گاڈسے نے داغ دی باپو کے سینے میں
چھپایا کفر نے آخر نمودِ نورِ ایماں کو
تعصب کا اندھیرا لے گیا شمعِ فروزاں کو

۳

یہ انجامِ وفا تھا یا ظہورِ بغض و کفر و دیں
زمانے میں بچھا کے پھر سے ماتم کی صفیں رکھ دیں
ستارے چرخ پر روئے فضائیں تلملا اٹھیں
جھکا کر سر فرشتوں نے شہادت کی بلائیں لیں
اٹھا کر زلزلے طوفاں جب ارض و سما گھومے
حیاتِ جاوداں نے بڑھ کے باپو کے قدم چومے

تعصب کا جنوں دھرم اور مذہب کی فسوں کاری
لگا دی چوٹ دنیائے وفا پر کس قدر کاری
زمانے کی نگاہوں سے لہو ہونے لگا جاری
پٹیلؔ آزادؔ و نہروؔ پر بھی وحشت ہو گئی طاری
تھا اک کہرام سا ہر سُو دُہائی پر دُہائی تھی
بہلنے کے لئے آنسو وہاں فِطرت بھی آئی تھی

۴

ہجومِ زندگی آگے بڑھا جوشِ عقیدت میں
مذاہب کے قلعے ٹوٹے مروت کی قیادت میں
تعصب سرنگوں آخر ہوا راہِ عداوت میں
فضائیں نعرہ زن تھیں آج پھر بھارت کی عظمت میں
کنارِ رودِ جمنا اشک ریزی کی ہزاروں نے
فلک سے پھول برسائے شہادت پرستاروں نے

کنارِ رودِ جمنا آج مرقد رہنماؤں کے
نشانِ رحمتِ حق ہیں کہ سنگھم ہیں وفاؤں کے
وفا کی درسگاہیں، آسرے ہیں بے نواؤں کے
رہیں گے حشر تک مرکز زمانے کی دعاؤں کے
وفا کی یادگاروں کے یہ مرکز راجدھانی میں
رہے ہیں رہنما ہر گام پر میری کہانی میں

ؔ

زمانے کو میں اک پیغامِ خوش انجام دیتا ہوں
تعصب پر سیہ کاری کا سب الزام دیتا ہوں
وطن کے میکشوں کے ہاتھ میں اک جام دیتا ہوں
زمانے کے لئے "دورِ وفا" کا نام دیتا ہوں
اگر منظور ہے تو پھر رواں نوکِ قلم ہوگی
حدیثِ عظمتِ نہروئے اعظم بھی رقم ہوگی

رازؔ سرحدی

جلتی مشالیں

... بنگلہ دیش کی جنگِ آزادی کی منظوم داستان

ہم نے جب چاہا بدل کر رکھ دیا تقدیر کو
موج کو ساحل تو ہر قطرے کو دریا کر دیا
رازؔ

یکسانیت کو دہر میں حاصل نہیں دوام
ہوتی کہیں ہے صُبح تو رہتی کہیں ہے شام
دنیا کا رنگ روپ بدلتا ہے ہر گھڑی
چُپ دیکھتی ہے نرگسِ شہلا کھڑی کھڑی
ملکوں کا بھی نظام تغیر پذیر ہے
دائم کوئی نہ شاہ نہ کوئی وزیر ہے
اوج و زوال کا یہ فسانہ ہے کائنات
حاصل جہاں میں ایک تغیر کو ہے ثبات
اِک انقلاب ہی کو زمانے میں ہے دوام
نیرنگیوں نے پاک میں آخر کیا قیام
فوجی حکومتوں میں جو پستے رہے عوام
ٹھانی انھوں نے دل میں کہ بدلیں گے یہ نظام

ہردم تھے انقلاب کے نعرے زبان پر
آنکھیں لگی ہوئی تھیں ہر اک نوجوان پر
اہلِ وطن نے چھوڑ دیا دامنِ خیال
جمہوریت کے دور کا پیدا ہوا سوال
بنگال سندھ و صوبۂ سرحد کے رہنما
پرچم لئے تھے ہاتھ میں قومی جہاد کا
جمہوریت نے نعرہ دیا انتخاب کا
خرمن جلا کے رکھ دیا فوجی عتاب کا
جمہوریت کے گاڑ کے جھنڈے دکھا دیئے
فوجی حکومتوں کے جنازے اٹھا دیئے
رحمان سربلند تھے بھٹو تھے سرنگوں
یحییٰ تھے بوکھلائے ہوئے اب میں کیا کروں؟

آئی نہ راس فرقہ پرستوں کو یہ ہوا
دینے لگے عوام کو مذہب کا واسطہ
بھٹو کو تھا شکست کا احساس بیگماں
ہر چال سے جناب کی ہونے لگا عیاں
یحییٰ کے اقتدار کا دامن سنبھال کر
لایا بھنور سے ڈوبا سفینہ نکال کر
خود اعتمادیوں کے سہارے عطا کئے
بامِ وطن کو چاند ستارے عطا کئے
دہرائی پھر سے عظمتِ رفتہ کی داستاں
مغرب کے اقتدار کا دعوےٰ کیا بیاں
مشرق کے ساکنوں پہ فضیلت کا یہ مقام
میرے حضور شرعِ حکومت میں ہے حرام

بخشی ہے گرچہ قوم نے رحماں کو برتری
لیکن ہے کفرِ شیخ پہ اعزازِ سروری
ہوں گے حضور بادِ ستم ہائے روزگار
کشمیری شیخ باعثِ صد حزن و انتشار
چلیئے حضور ڈھاکہ میں چل کر کریں قیام
دیکھیں ذرا مجیب سے ہم ہو کے ہمکلام
مانے اگر جناب کے وہ اقتدار کو
کر لے قبول فوج کے عزم و وقار کو
فتوٰے جناب کا وہ اگر مانے اے امیر
بن کر رہے مجیب وہاں پاک کا وزیر
ورنہ اُسے چکھا دیں مزا انقلاب کا
محشر بپا ہو پا کے اشارہ جناب کا

بھٹو کے مشورے پہ ہوئے صدر کاربند
ہوش و خرد کے کر دیئے دروازے اُس نے بند
بھٹو کو لے کے ساتھ جو یحییٰ ہوئے رواں
ڈھاکے میں جا کے اپنے ارادے کئے عیاں
حیرت ہوئی مجیب کو سُن کر یہ داستاں
مجبوب رہنما کو یہ ہرگز نہ تھا گماں
دھوکا کرے گا صدر یہ اہلِ وطن کے ساتھ
مالی کو ہو گی دشمنی صحنِ چمن کے ساتھ
ہوں گے فریبِ مذہب و ملت عوام سے
مسلم بٹیں گے کافر و مومن کے نام سے
آزادیاں جُھکیں گی عبادت میں فوج کی
جمہوریت چلے گی قیادت میں فوج کی

کرتی خودی قبول جو ذلت کا یہ مقام
ہوتی نہ آج باعثِ صد فخر و احترام
یہ بندگی ہوئی نہ گوارا مجیب کو
خود اعتمادیوں نے اُبھارا مجیب کو
راہِ وفا میں مٹنے کی کیا آرزو رہی ؟
ہر موڑ پر بہادری کی گفتگو رہی
یحییٰ کے اقتدار کو ٹھکرا کے رکھ دیا
عزمِ ستم شعار کو ٹھکرا کے رکھ دیا
قطعِ تعلقات کا اعلان کر دیا
آزاد بنگلہ دیش کا نرمان کر دیا
راہِ وفا پہ قوم کو چلنا سِکھا دیا
اہلِ وطن کو دیش پہ مرنا سِکھا دیا

سر پر کفن تھے لب پہ ترانے جہاد کے
گھر گھر گلی گلی تھے فسانے جہاد کے
فوجوں کی دیکھ ریکھ ہیں اہلِ وطن کے نام
اُس مردِ حق نے کر دیا جاری نیا پیام
ڈالو نئے سماج کی بنیاد دوستو!
قائم رہے گی تا ابد یہ یاد دوستو!
ہندو نہ تم بنو نہ مسلمان تم بنو
اولادِ آدمی ہو تو انسان تم بنو
دشمن اٹھائے آنکھ تو وہ آنکھ پھوڑ دو
قلعے یہ جھوٹے مذہب و ملّت کے توڑ دو
چاہو اگر وطن میں ہو جمہوریت قوی
وقت آگیا کہ پیش ہو قربانی خون کی

بھٹو نے دیکھا تیر ہوا اُس کا کارگر
یحییٰ سے اب مجیب ملاتا نہیں نظر
بنگال پر ہوئی جو حکومت مجیب کی
شاید دُہائی پاک بھی سُن لے غریب کی
یحییٰ کو مشورہ دیا پھر انتقام کا
فوجوں کو حکم عام ملا قتلِ عام کا
مغرب کا اقتدار اور مشرق کی سرزمیں
فوجیں نہتے قوم پرستوں پہ جا پڑیں
نغمے دغا کے چھیڑ سیاست کے ساز پر
یحییٰ روانہ ہوگیا چڑھ کر جہاز پر
محبوب رہنما جو گرفتار ہوگیا
ہر سمت گرم ظلم کا بازار ہوگیا

فوجیں چلا رہی تھیں نہتوں پہ گولیاں
گھر گھر کو لوٹتی تھیں لٹیروں کی ٹولیاں
اپنے ہی بھائی بندھوں کو لوٹ مار کے
شرم و حیا کے رکھ دیئے پردے اُتار کے
بیوی کسی کی اور کسی کی بہن لُٹی
بیٹی کسی کی اور کسی کی دُلہن لُٹی
چیخیں تھیں، نفرتیں تھیں کراہیں تھیں چار سُو
خونبار و شعلہ ریز نگاہیں تھیں چار سُو
چھایا ہوا تھا غم کا دھواں ہر مکان پر
لعنت برس رہی تھی اُدھر یحییٰ خان پر
چنگیز نے بھی ظلم یہ رکھے نہ تھے روا
یحییٰ کے فوجیوں نے جو بنگال میں کیا

وحشت کا اِس سے بڑھ کے نہ محشر ہوا کبھی
بے حرمتی ہو بھائی کے دامن میں بہن کی
مجبور باپ بیٹی کے کپڑے اُتار کے
تہذیب کے جنازوں کو لائے سنوار کے
کوئی نہ آگے بڑھ سکے گرتوں کو تھامنے
عصمت ہو چاک بیوی کی شوہر کے سامنے
بیٹے ہوں ذبح غم زدہ ماں دیکھتی رہے
اپنے جگر کے ٹکڑے ہوں جاں دیکھتی رہے
گھر بار جل رہا تھا مگر دیکھتے رہے
شاید دعاؤں میں ہو اثر دیکھتے رہے
لاکھوں نڈھال بے سر و ساماں ہو گئے
آباد کل تلک جو تھے ویراں ہو گئے

کوئی نہ بچنے پایا معمّر ہو یا جواں
لالوں سے خالی ہو گئیں ماؤں کی گودیاں
چُن چُن کے صاف کر دیئے علمائے باہنر
انجنیر ہی کوئی رہا اور نہ ڈاکٹر
جبر و ستم وہ کرتے تھے آمادۂ زوال
تاریخِ ظلم و جور میں جن کی نہیں مثال
لینا پناہ جنتا کا دامن میں خاک کے
صدمے اِدھر مجیب پہ جیلوں میں پاک کے
اِس ظلم بے پناہ کا کوئی نہ تھا علاج
آزادیٔ وطن کو تھا کتنا بڑا خراج
جینا حرام ہو گیا ہر خاص و عام کا
جذبہ دِلوں میں پلتا رہا انتقام کا

پہلو کوئی دکھائی نہ دیتا قرار کا
شیوہ یہی تھا گردشِ لیل و نہار کا
اس بے کسی میں زیست سے بیزاریاں ہوئیں
چلنے کو بنگلہ دیش سے تیاریاں ہوئیں
لاکھوں ہزاروں کارواں در کارواں چلے
گھر بار چھوڑ جانب ہندوستاں چلے
ہندوستاں وہ ملک ہے دنیا میں لاجواب
بامِ فلک پہ جیسے ستاروں میں ماہتاب
موسم وہ دلفریب کہ ہر دم نئی بہار
قدرت کی نعمتوں کے خزانے ہیں بے شمار
دریا، پہاڑ، وادیاں۔ میدان کھیتیاں
اُٹھے جدھر نگاہ تو جنت کا ہو گماں

گنگ و جمن کے روپ میں تسنیم دیکھئے
قرآن اور گیتا کی تعلیم دیکھئے
تاج اور قطب دیکھئے کشمیر دیکھئے
گاندھی کے خوابِ شوق کی تعبیر دیکھئے

جمہوریت کا راج ہے اندرا ہے رہنما
نہرو کا خون اور جواہر کی آتما
ناری ہے وہ کہ رحمتِ پروردگار ہے
وہ جان و تن سے دیش پہ اپنے نثار ہے

جب سے وطن کی اس نے سنبھالی ہے باگ ڈور
ہر سُو ہے امن چین کا خوشحالیوں کا دَور
دردِ غمِ عوام کا اِک بحرِ بیکراں
ہے میر کارواں کے دلِ پاک میں نہاں

دنیا میں آج باعثِ صد امتیاز ہے
بھارت کو اُس کی طرزِ قیادت پہ ناز ہے
ظلم و ستم پڑوس جب حد سے گزر گیا
جی اہلِ بنگلہ دیش کا جینے سے بھر گیا
برپا کیا تھا پاک کی فوجوں نے قتل عام
باقی نہ تھا پناہ کا اُس دیش میں مقام
بھاگے دیارِ ظلم سے لاکھوں پنہ گزیں
اور سرزمین ہند پہ آکر ہوئے مکیں
اندرا نے بے کسوں کو سہارا عطا کیا
بے آسروں کو پھر سے نیا آسرا دیا
خود ہو گئی پڑوسیوں کے درد سے نڈھال
مہماں نوازیوں کے بھی دکھلا دیئے کمال

آنسو بہائے بیکسوں کے قتلِ عام پر
مجبور بنگلہ دیش کے فوجی نظام پر
امن و اماں کا پاک کو بھی مشورہ دیا
حق اور کارِ نیک کا رستہ دِکھا دیا
جاری رہا یہ سلسلہ جب اور چند ماہ
لوگوں کا بنگلہ دیش میں ممکن نہ تھا نباہ
ظلم و ستم سے پاک کے مجبور ہو گئے
کل تک جو تھے رئیس وہ مزدور ہو گئے
اپنے وطن سے چل دیئے سب رشتے توڑ کر
کیمپوں میں آ گئے وہ محلوں کو چھوڑ کر
سُلگی جو الا بھوک کی جب اُن کے پیٹ میں
ہندوستاں کو لے لیا اپنی لپیٹ میں

گھر گھر میں رنج و غم کے پڑوسی کی داستاں
انسانیت پہ باعثِ لعنت تھی بیگماں
میدانِ راج نیتی کے چلتے تھے شہ سوار
اِس نسل کُشی نظام سے تھے سخت بے قرار
مانا کہ رسم و راہ تھی اپنی بھی پاک سے
کچھ واسطہ نہ ہند کو تھا اس کی خاک سے
لیکن جو یحیٰی خان کی فوجوں نے طیش میں
ڈھائے تھے بیکسوں پہ ستم محض عیش میں
مہلک اثر تھا اُن کا بھی قرب و جوار پر
کالی گھٹا تھی ہند کی رنگیں بہار پر
اندرا تھی جس کے ہاتھ میں اپنے وطن کی لاج
مجبور ہو کے اِس کا بھی کرنا پڑا علاج

پہلے تو یحییٰ خان سے اُس نے کیا سوال
شاید اُسے پڑوس کا آجائے کچھ خیال
وہ آئے باز مذہب و ملّت کے راگ سے
اپنا بچائے آشیاں نفرت کی آگ سے
کر دے رہا مجیب کو ہو جائے سرخرو
پوری ہو بنگلہ دیش کے لوگوں کی آرزو
لیکن نہ جب سوال کا پایا کوئی جواب
چاہا کہ کر دے پاک کو دنیا میں بے نقاب
امریکہ نے بھی پردے کے پیچھے جو کچھ کیا
دنیا کو اس فریب کا چل جائے کچھ پتا
ایسا نہ ہو کہ ٹوک ہی دے چین روسیاہ
دامن میں اپنے روس کا تعویذ رکھ لیا

گھر سے نکل کے پھر وہ سفر پہ ہوئی رواں
تھا دل میں درد لب پہ پڑوسی کی داستاں
در در پہ بھیک مانگتی امن و امان کی
گھر گھر دُہائی دیتی مجیب الرحمٰن کی
افسانے بے بسی کے سُناتی چلی گئی
سوئے ہوؤں کو پھر سے جگاتی چلی گئی
ظلم و ستم کی پاک کے سن کر کہانیاں
حیرت میں تھیں جہاں کی سب راجدھانیاں
آسٹریا۔ فرانس۔ جرمنی انگلینڈ و بلجیم
سکتے میں ہو گئے سبھی سُن کر حدیثِ غم
زیرِ فلک تھا کوئی اگر سنگدل مقام
امریکہ جیسے مُلک میں نکسن کا تھا نظام

رکھا ہوا کمر پہ جو تھا یحییٰ خاں کی ہاتھ
جمہوریت نے ظلم و ستم کا دیا تھا ساتھ
اور چین کا بھی پاک کو غرّہ ضرور تھا
یحییٰ کو اس پہ کتنا گھمنڈ اور غرور تھا
صلح و سلامتی کی تھی سب سعی رائیگاں

سرحدِ ہند و پاک پہ گدلا تھا آسماں
اُٹھتی تھیں تانیں مذہب و ملّت کے راگ کی
بڑھنے لگی تھی روشنی نفرت کی آگ کی

پرچم اٹھائے ہاتھ میں بغض و عناد کا
اُٹھا زمینِ پاک سے طوفاں جہاد کا
تھمتے نہ تھے زمیں پہ پاؤں غرور سے
دیتے تھے لاکھوں گالیاں اندرا کو دُور سے

نہرو کا خون اور جواہر کی آتما
وہ کاروانِ ہند کی بے لاگ رہنما
وابستہ جس کے دم سے تسکین ہند کی
برداشت کر سکی نہ یہ توہین ہند کی
جنگی گھٹا جو ہند کے دامن پہ چھا گئی
چنڈی کا روپ دھار کے میدان میں آ گئی
مانا کہ کشت و خون ہے صد وجہ رنج و غم
لازم ہے اُس پہ روکنے بڑھتے ہوئے قدم
جل تھل اور وایو سینا کو لے کر کمان میں
جو بھی اٹھا قدم ۔ اٹھا بھارت کی شان میں
اپنے قدم ملا کے جو بڑھنے لگے جواں
تھرا گئی زمین تھا لرزے میں آسماں

وہ بانکپن تھا معرکوں میں آسمان کے
حیرت میں شہسوار تھے سارے جہان کے
اڑتے تھے سر کو رکھ کے ہتھیلی پہ نوجواں
بڑھنے نہ پایا جنگ میں دشمن کا کارواں
پھینکے جو گولے جنگی ٹھکانوں پہ برملا
دو ہی دنوں میں پاک کا چہرا اتر گیا
جل سینا نے جب اپنا ارادہ کیا عیاں
رکھ دیں اُڑا کے آن میں غازی کی دھجیاں
پل میں جلا کے تیل کے مخزن دکھا دیئے
یحییٰ کو انقلاب کے معنے بتا دیئے
نکسن بھی سن کے پاک کے صدموں کی داستاں
دینے لگا تھا ساتویں بیڑے کی دھمکیاں

میدانِ جنگ میں بھی وہ دکھلا دیئے کمال
جن کی جہاں میں آج تک ملتی نہیں مثال
کھیلے وہ اس بہادری سے اپنی جان پر
آنے نہ پائی آنچ بھگت سنگھ کی شان پر
حُبِّ وطن کا سر میں وہ سودا کہ الاماں
ہر وار تھا اچوک جوانوں کا بے گماں
پل پل میں چاند بیبیاں جھانسی کی رانیاں
غیرت میں اپنے خون سے لکھتیں کہانیاں
قربانیوں کا کوئی اگر تول ناپ تھا
ہر نوجوان ہند کا رانا پرتاپ تھا
دشمن اگر ہوا بھی کہیں زور آزما
توی[1] کی بھوک فوج کی لاشوں نے دی مٹا

---

[1] توی، جموں کشمیر کے دریا کا نام۔

بڑھتے ہیں کیسی شان سے بھارت کے نوجوان
دِکھلا دی بنگلہ دیش میں جولانیوں کی شان
اور ساتھ بنگلہ دیش میں وہ مکتی باہنی
تلوار کی تھی دھار کہ ہیرے کی تھی کَنی
شانہ بشانہ فوج کے لڑتی تھی جنگ میں
تھی لامثال حُبِّ وطن کی اُمنگ میں
قربانیوں کے اُس کے نہیں کوئی بھی شمار
ہوتی قدم قدم پہ تھی وہ دیش پر نثار
امریکہ۔ پاک۔ چین کے جتنے تھے لاڈلے
روتے تھے دیکھ پیٹن و سیبر کے مقبرے
دیکھا جو بیڑہ پاک کا ہونے لگا تباہ
نیازی نے گھٹنے ٹیک کر مانگی وہاں پناہ

جل تھل اور والیو تینوں محاذوں پر پیٹ کر
لاشِ عنادِ مذہبی پھینکی گھسیٹ کر
اور توڑ کر مذاہب و ملّت کے قید و بند
ڈھاکہ پہ بھی جن راج کا جھنڈا کیا بلند
دے کر عنان ملک کی پھر سے عوام کو
بدلا ہے بنگلہ دیش کے ہر صبح شام کو
کر کے رہا وہ قید سے لالے مجیب کو
تھی وصلِ گل کی آرزو ہر عندلیب کو
عظمت پہ جو وطن کی ہوئے جنگ میں نثار
جلتی مشالیں اُن کی چتاؤں کی یادگار
شاہد ہیں آج ہند کے عزم و وقار کی
روشن ہیں انڈیا گیٹ پہ شمعیں قرار کی

حبِ وطن کی خون سے لکھی ہے داستاں
لاکھوں وطن پرست جُھکاتے ہیں سر یہاں
بھارت کی شان گلشنِ ہستی کی پنکھڑی
اندرا کبھی سر جُھکائے عقیدت سے ہے گھڑی
آنسو بہا کے آج شہیدوں کی یاد میں
شامل ہوا ہے رازؔ وطن کے جہاد میں
میرا زہے نصیب جو منظور ہو سلام
لفظوں کے چند پھول ہیں شردھا کا اہتمام

رازؔ سرحدی

زیرِ ترتیب مجموعۂ کلام

سرودِ حیات

کے چند اوراق

خودی نے بے خودی جس دم عطا کی
ہوئیں طے منزلیں راہِ وفا کی
کیے اہلِ فلک نے مجھ کو سجدے
مبارک وسعتیں عزمِ رسا کی
یہ تھا اعمال کا اپنے کرشمہ
سمجھتے تھے جسے رحمت خدا کی
غرورِ بندگی نے راز ہم کو
عروجِ زیست کی دولت عطا کی

ؔ

قفس میں جا کے رہے یا کہ آشیانے میں
جنوں نے ساتھ دیا ذلتیں اٹھانے میں
اڑائیں کیوں نہ بھلا میرا اہلِ بزم مذاق
مجھے تلاش ہے انساں کی اس زمانے میں

مٹا کے خود کو میسّر خودی کا جام تو ہو
تیری نگاہ میں میرا کوئی مقام تو ہو
خودی کو عشق پہ قربان کر نہیں سکتا
میرا نہ ہو میرے جذبوں کا احترام تو ہو

منار سے غرض ہم کو نہ مسجد سے تعلق
ہم معتقدِ کعبہ و بُت خانہ نہیں ہیں
ہم بہرِ سکوں مے کا تجسس نہیں کرتے
منت کشِ ساقی نہیں پیمانہ نہیں ہیں

عشق میں تیرے بہت دُور ہوا جاتا ہوں
لذتِ درد سے معمور ہوا جاتا ہوں
مجھ کو معلوم نہیں کون ہوں کیا ہوں لیکن
تیری درگاہ میں منظور ہوا جاتا ہوں

ہوں وہ غریب کہ جس کا وطن وطن نہ رہا
وہ بدنصیب کہ جس کا چلن چلن نہ رہا
یہ رازؔ اپنی حقیقت ہے باغِ عالم کا میں
گلِ اُمید ہوں جس کا چمن چمن نہ رہا

میرا بچپن ، میری پیری اور میرا عہدِ شباب
زندگی بھر نہ ملا چین رہا میں بیتاب
میری کم مائیگی کا خوب اڑایا ہے مذاق
قوم نے قوم کے معمار کا دے کر کے خطاب

نہ صبح پیتے ہیں ساقی نہ شام پیتے ہیں
غلط ہے ہم پہ یہ تہمت کہ عام پیتے ہیں
حصولِ مے پہ نہیں رازِ مے کشی موقوف
وہ رند ہیں کہ نگاہوں کے جام پیتے ہیں

جنون و عشق حدِ انتقام تک پہنچے
تیری تلاش میں کس کس مقام تک پہنچے
خودی بھی آج تھی اک بیخودی کے عالم میں
وہ بڑھتے ہاتھ جو ساقی کے جام تک پہنچے

میخانہ سراپائے گلفام ہے ساقی
لو تھام کہ ہاتھوں میں لئے جام ہے ساقی
رندوں سے تغافل تیرا کم ظرفی ہے تیری
اے پیرِ مغاں مفت میں بدنام ہے ساقی

پھر بہار آئی

چمن چمن ہے خراماں کہ پھر بہار آئی
صبا ہے مشک بداماں کہ پھر بہار آئی

نمودِ لالہ و گل ہے ظہورِ سوزِ دروں
دل و جگر ہے چراغاں کہ پھر بہار آئی

وہی ہے عالمِ وحشت وہی ہے دستِ جنوں
وہی ہے چاکِ گریباں کہ پھر بہار آئی

پکارتا ہے جنوں پھر سے سوئے ویرانہ
سلامِ محفلِ رنداں کہ پھر بہار آئی

کہاں کا چین بھلا کاوشِ سکوں کیسی
عبث ہے درد کا درماں کہ پھر بہار آئی

کسی کی یاد خلش بن کے دل میں آئی ہے
ہوا ہے دردِ نمایاں کہ پھر بہار آئی

نہ چھیڑ خاک نشینوں کی بے بسی کا سرود
ستا نہ اے غمِ دوراں کہ پھر بہار آئی

یہ تیرے نقش و نگار اے وفور ناکامی
فنا ہے حشر بداماں کہ پھر بہار آئی

سنو سنو وہ وطن کے غریب جاگ اٹھے
وطن فروش پریشاں کہ پھر بہار آئی

وہ دیکھو بھوک کے سائے ہیں پھر سے حرکت میں
رگوں میں خون ہے تاباں کہ پھر بہار آئی

ہیں بحرِ زیست میں پھر انقلاب کی موجیں
نظامِ وقت ہے لرزاں کہ پھر بہار آئی

غرورِ حسن کے پھر ڈگمگا رہے ہیں قدم
نیازِ عشق ہے نازاں کہ پھر بہار آئی

قطرے کو دریا کر دیا

وائے ناکامی وفورِ شوق میں کیا کر دیا
عشق کی دولت کو صرفِ نازِ بیجا کر دیا

تھا مرے سوزِ محبت کا فسوں اے ہمنوا
آہ کو تاثیر دی نالوں کو نغمہ کر دیا

اہلِ جنت کو بھی زیبائش پہ جس کی رشک ہے
خوشنما کتنا تری دُنیا کا نقشہ کر دیا

کل تلک پھرتا تھا جو ہر اینٹ و پتھر پوجتا
اُس کی عظمت میں فرشتوں نے بھی سجدا کر دیا

ہم نے جب چاہا بدل کر رکھ دیا تقدیر کو
موج کو ساحل تو ہر قطرے کو دریا کر دیا

کر رہا بربادیوں کے مشورے تھا آسماں
جُھک گیا جب ہم نے اظہارِ تمنا کر دیا

ہم نے طوفانوں کو للکارا غرورِ عشق میں
کاروانِ زیست میں اک حشر برپا کر دیا

بیکسی کا میری عالم دیکھ کر کہنے لگے
بے وجہ کیوں رازؔ نے یہ حال اپنا کر دیا

صد حیف دورِ زیست اُسکا تھا بہار نہیں

آہیں نہیں ہیں لب پہ ہمارے فغاں نہیں
ہیں دل میں ولولے مگر منہ میں زباں نہیں

میں اور اُن کے ساتھ یہ میرے کہاں نصیب
اک خوابِ آرزو ہے میری داستاں نہیں

دیر و حرم کو کرتا ہے مخصوص کس لئے
زاہد تو ہی بتا خدا تیرا کہاں نہیں

اک جستجو تھی لے گئی ہم کو جو میکدے
مے میں کشش تھی بات یہ پیرِ مغاں نہیں

جس آرزو میں ہم نے لٹائے تھے کارواں
صد حیف دورِ زیست اس کا ترجماں نہیں

اہلِ غرض سے ہم کو وفا کی رہی امید
کیوں امتیازِ نیک و بد سود و زیاں نہیں

صیاد کے ہے ہاتھ میں گلشن کی باگ ڈور
محفوظ شاخِ گل پہ بھی اب آشیاں نہیں

دل کی لگی عیاں ہوئی کیونکر ہے بعد مرگ
مرقد سے اٹھ رہا اگر میرے دھواں نہیں

اپنی جنت بنا دو

ستاروں سے الفت کے دامن سجا دو
نظامِ محبت کو پھر جگمگا دو

اٹھو اٹھ کے دنیا کو بیدار کر دو
عقیدت کے فتنوں کو پھر سے جگا دو

زمانے کی نظریں تمہیں ڈھونڈتی ہیں
زمانے سے نظریں ملا کے دکھا دو

جنھیں زیست سے آج بیزار سمجھو
انھیں زندگی کے ترانے سُنا دو

جگا کر ذرا جسمِ خاکی میں شاہیں
کبھی ذوقِ پرواز کو بھی ہوا دو

خُودی کے خزانے ترے پاس بھی ہیں
جو چاہو اگر تم خدا کو بنا دو

یہ سب کائناتیں ہیں آباد تجھ سے
عمل سے انھیں اپنی جنت بنا دو

میرے دیش کے ہند کے نوجوانو
ہے خوابیدہ ملت خدارا جگا دو

توڑ دو بُت خانوں کو

گھیرا ہے جذبۂ ایثار نے دیوانوں کو
پھر ہوسِ شمع پہ جلنے کی ہے پروانوں کو

آج کا دن تو شہیدانِ وطن کا دن ہے
میکشو چھوڑ دو تم آج تو میخانوں کو

قیس و فرہاد بھلا دیں گے تیری یادوں سے
ہم کو دُہرانے تو دو زیست کے افسانوں کو

تاب کب زاہد خود بین میں تقلید کی تھی
چھوڑ کر راہ میں ہم آئے صنم خانوں کو

نعمتوں کا تری صد حیف تصرف بیجا
کاش پہچان بھی ہوتی ترے انسانوں کو

عقل و دانش ہی سہی زیست کے جوہر تاہم
دنیا میں زندہ تو رہنا بھی ہے نادانوں کو

کر سکو تم نہ اگر عظمتِ انساں کو قبول
بند کعبے کو کرو توڑ دو بُت خانوں کو

حُسن

حُسن شاہکارِ تجلّی ہے عروجِ اعجاز
حسن ہے نورِ صداقت کا زمانے میں قیام

حسن راحت ہے نمایاں کہ نمودِ تسکین
حُسن اظہارِ مروت بہ سرودِ اندام

عشق

عشق ہے نورِ صداقت کے تصرف کی اُمنگ
عشق پاکیزگیٔ نفس کی موجوں کا ہجوم

عشق ایثار و مروت کا ہے تابندہ وقار
عشق ہے تشنگیٔ درد، دوا سے محروم

گیتا

مخزنِ انوار معراجِ سرودِ کارزار
حُسن پردازِ عمل کی داستان زرنگار

تیرا ہر اک ورق ہے گنجینۂ حسنِ عمل
ہر لفظ تیرا عروجِ زیست کا نقش و نگار

فلسفۂ عمل پر لکھا ہوا زریں نصاب
یدھ میں ارجن کے مہارتھی کی پائندہ پکار

کرشن اور ارجن کی رازِ زندگی پہ گفتگو
عمل کا درسِ وفا ملنا درونِ کارزار

اہل دنیا کے لئے تنویر پیغامِ عمل
زندگی کے ہر مسائل پر بیاض کامگار

زندگی اور موت کی پرچھائیوں کا جاگروپ
عکسِ معراجِ خودیٔ نفس کی آئینہ دار

تیری کرنوں سے میسر ہوتی ہے تابندگی
جب کبھی اٹھتے ہیں دل میں وہم گرد و غبار

تیرا فتویٰ ہے قوم کی ہر مرض کا کامل علاج
تیرا جلوہ ملک میں ہے باعثِ باغ و بہار

کارگر ہے چوٹ تیری ہر نمودِ کفر پر
اور تیرا ایمان ثابت ہے مثالِ کوہسار

ہر اندھیرے میں تجلی ہے مثالِ طور تو
حُسنِ ادراک و عقیدت شعلۂ عزم و وقار

ایک ہے پیغام تیرا زندگی کی راہ میں
گامزن ہو کوئی مفلس یا کوئی ہو تاجدار

جنگ میں تھی کل اگر تو عمل کا درسِ وفا
آج ہے کتنی بہارِ زیست کی آئینہ دار

اہلِ دنیا آ کے دیکھیں گر نہ ہو اُن کو یقیں
جنگ میں بھی سربلند کتنا تھا ہندی کا وقار

باعثِ راحت سدا ہے کرشن کا جامِ سکوں
آج بھی اپنی جبینوں میں ہیں سجدے بے قرار

زندہ باد اے خالقِ ایثار بر راہِ عمل
مرحبا محسنِ عروجِ زیست کے نامہ نگار

تیرے قدموں پر رہا ہے سر میرا ہر موڑ پر
میں فقط تجھ پر عقیدت کا رہا ہوں گنہگار

ہو رہے ہے قسمت اگر یہ راز کی شردھا قبول
چند کلیاں پیش خدمت ہیں بہ عجز و انکسار

نانک

سرزمینِ ہند نازاں جن خزانوں پہ ہے آج
اُن میں نانک کی ہے ہستی باعثِ صد افتخار

کرشن کے نغموں کو جس نے پھر نیا بخشا سرود
رام کی بھگتی کا جس کو رہتا ہر دم تھا خمار

عالمِ فہم و ذکا نے زیست کے ہر موڑ پر
کی عطا اہلِ یقین کو زندگی کی ہر بہار

آج بھی آوازِ حق کا ہے جہاں میں نامہ بر
ہر سخن ان کا کلام غیب ہے نقش و نگار

نور ایماں کے خزانے تھے تصرف میں سارا
تھا گدائی میں بھی حاصل آپ کو شاہی وقار

مملکت میں آپ کی انساں کو حاصل تھا عروج
آپ کے قدموں پہ جھکتے تھے جہاں کے تاجدار

نسل انساں میں بلند اقبال ہے وہ ذی روح
آپ کی بھگتی کا حاصل ہو گیا جس کو خمار

معجزوں کی آپ کے تاریخ ہے اب بھی گواہ
راہِ حق پہ گامزن با عزم ، با عالی وقار

خوش نصیبی ہے وطن کی سرزمینِ ہند پر
رام کرشن بدھ و نانک کے ابھی ہیں پیروکار

چاند پر فتح

کس قدر ناداں ہیں اپنے آپ پر اہلِ زمیں
خاک کے پُتلے کی پرواز پر صدِ آفریں

تیرے استقلال کے چومے ستاروں نے قدم
تیری عظمت نے فلک کا نام کر ڈالا زمیں

تیری جرأت کی بلندی پہ زمانے کو ہے ناز
تیری ہمت موردِ صد آفریں صد آفریں

تو نے پروازِ تخیّل پر لگا دی ایک چوٹ
وسعتیں اقلیم شاعر کی سمٹ کر رہ گئیں

کون لکھے گا اُسے محبوب کا دیگر خطاب
کس کے سپنوں میں رہے گا چاند بن کر نازنیں

آج پیکرِ خاکی فرشتوں پر ملی سبقت تجھے
سرنگوں اہلِ فلک ہیں سربلند اہلِ زمیں

داد دیتے ہیں ترے ادراک و فن کی برملا
اہلِ دل، اہلِ نظر، اہلِ عمل، اہلِ یقیں

دِلّی

اے میرے دیش کے دل جانِ تمنائے بہار		مرکزِ شعر و سخن، دامنِ صد چین و قرار
پھر سے آیا ہے ترے گلشنِ ہستی پہ نکھار		زندگی آج ترے نام پہ صد جاں سے نثار

پھر نئی شان نئے دور کا آغاز ہے تو
باعثِ عظمت و سرمایہ صد ناز ہے تو

تھا کبھی قطب اگر مرکزِ صد ناز و خرام
محور لالہ و گل بادہ کش و ساقی و جام
تیرے کھنڈرات کبھی تھے تیری عظمت کے مقام
اہلِ دنیا کو دیا تو نے صداقت کا پیام

کروٹیں تو نے کبھی بدلیں جو زمانے بدلے
وقت کے ساتھ نیابت کے ٹھکانے بدلے

راجپوتوں کی شجاعت کے نشاں ہیں تجھ میں
خلجی و تغلق و لودھی بھی نہاں ہیں تجھ میں
غالب و ذوق کے اندازِ بیاں ہیں تجھ میں
حسرتیں ظفر کی بابر کے گماں ہیں تجھ میں

غوری و نادر و تیمور کے محشر کی امین
کتنی پُرسوز ہیں یادیں اے مری ماہِ جبین

مغل سمراٹ نے بخشا تجھے دُلھن کا نکھار
چاندنی چوک سے بھر دی جو تری مانگ کی دھار
قلعہ سرخ کا ٹیکا ترے ماتھے کا سنگھار
تیری دوشیزگی پہ تھی کبھی جنت بھی نثار

اوڑھ کر تجھ کو نیا دامن رنگیں فصیل
وقت کو شاہ نے دی عاشقِ صادق کی دلیل

ہوس انگریز کو بھی تیرے قریں لے آئی
تیرے دامن پہ گھٹا ظلم و ستم کی چھائی

قتل و غارت کے فسانوں کی ہوس بر آئی   تو نے تاریخ اُجڑ جانے کی پھر دہرائی

تیرے عشاق کو در پہ تیرے جینا نہ ملا

بحرِ ظلمات میں شاہوں کو سفینہ نہ ملا

میرے شاعر مجھے ماضی کے فسانے نہ سُنا   تجھے کبھی یا کہ نہ تجھے میرے ٹھکانے نہ سنا

میرے ویران نشیمن ہیں پرانے نہ سُنا   لوٹے کس نے مری الفت کے خزانے نہ سنا

میرے شاعر میری تاریخ کو اب نظم نہ کر

میرے اسلاف کی توہین سرِ بزم نہ کر

ہوگا تیمور کبھی بانیٔ صد جبر و ستم   توڑے ہونگے مرے بتخانوں کے غوری نے صنم

موجدِ تفرقہ انگریز بایں دیر و حرم   مُلک میں دیتا رہا ہوگا تعصب کو جنم

قہر اور جبر سے وابستہ مرا نام نہ کر

بخدا میری وفاؤں کو تو بدنام نہ کر

میرے دامن میں رہے شاہوں کی عظمت کے قیام   میں نے مہمانوں کو بخشے جاہ و حشمت کے مقام

میرے مینار سے ایک کو ملی عمرِ دوام   میرا ہر دور رہا دہر میں الفت کا پیام

جام یہ جام لٹاتی رہی مے خانوں میں

شمع کی طرح چمکتی رہی پروانوں میں

کبھی خلجی کبھی تغلق کبھی لودھی آئے
کبھی بابر کے بڑھے ذوقِ ہوس کے سائے

پاؤں انگریز کے لالچ نے کبھی پھیلائے
کیا ہوا گر مجھے نادر نے چنے چبوائے

میرے غالب کو میرے ظفر میرے ذوق کو دیکھ
میری مجبوری پہ مت رو تو میرے شوق کو دیکھ

آج دنیا کی ہوں محبوب میں جنت کی نظیر
میرا ہر رنگ زمانے میں محبت کا سفیر

دل میں ہر اہلِ وطن نقش ہے میری تصویر
مجھ سے وابستہ رہی قوم و وطن کی تقدیر

وہ میرے کل میں کہاں تھا جو میرے آج میں ہے
وقت کی کلغی بارعب میرے تاج میں ہے

دورِ حاضر کے نئے علم و ہنر سے معمور
تجھ کو حاصل ہے مئے عشق و محبت کا سرور

تیرے انداز میں ہیں اب بھی وفا کے دستور
تیری وسعت کو ہے ماضی کے ٹھکانوں پہ عبور

تو نے تعمیر کو اپنی جو نئے موڑ دیئے
تیری رفتار نے سرحد بھی پرے چھوڑ دیئے

تیری آغوش میں ہے آج مہاجر کو سکوں
سرفروشی کا نکبر ہے سیاست کا جنوں

لالہ و گل پہ ہے نغمات کا بلبل کے فسوں
باعثِ نشو و نما آج بھی ہے سوزِ دروں

محفلِ عشق مے جام و ساقی و سرود

ہے زمانے کے لئے درسِ وفا تیرا وجود

تیری نوخیز بہاریں تیرے نوخیز چمن
ہیں میرے عشق کی روداد میرے شوق کا فن

تیری انگڑائیاں اکثر میرے جذبات کا دھن
تیری وسعت کا ہے محتاج میرا ذوقِ سخن

میرے افکار کی دولت ہے ترا نقش و نمود

رنگ شالہ کا تصور کہ اشوکا کا وجود

تری رعنائیاں اقدامِ تکبر و غرور
عشق و الفت کے لئے انداز وفا کے دستور

اک حسیں خواب کی تعبیر بصد جامۂ نور
جشنِ جمہور کے میلوں کا یہ پائندہ سرور

حسنِ جذبات کو شاعر کے ضیا دیتا ہے

دہر کو تیری وفاؤں کا پتہ دیتا ہے

کشمیر

کشمیر ہے کہ لیب پہ ترانہ بہار کا

فطرت نے لکھ دیا ہے فسانہ بہار کا

ہے وادیٔ کشمیر کہ فردوس برزمیں
دلکش ہیں مرغزار. مناظر ہیں دل نشیں
تجھ پہ وطن نثار وطن کی او نازنیں
صد مرحبا یہ ناز اٹھانا بہار کا
فطرت نے لکھ دیا ہے فسانہ بہار کا

رشکِ چمن پہاڑ ہیں گلزار وادیاں
زر خیز زعفراں بنفشے کی کھیتاں
ہر رہگزر پہ آپ کو جنت کا ہو گماں
پربت کی گودیوں میں ٹھکانہ بہار کا
فطرت نے لکھ دیا ہے فسانہ بہار کا

ہے پُرسکوں نشاط تو پرکیف شالیمار
چھائی ہے چشمہ شاہی پہ تیرے سدا بہار
گلمرگ و پہلگام میں فطرت کے شاہکار

دلکش ہے دلفریب گھرانہ بہار کا
فطرت نے لکھ دیا ہے فسانہ بہار کا

ہر موڑ پہ ہیں تیرے چناروں کے قافلے
ڈل لیک پہ ہیں چلتے شکاروں کے قافلے
گھر گھر گلی گلی گلعذاروں کے قافلے
ہر گام پہ نیا ہے ترانہ بہار کا
فطرت نے لکھ دیا ہے فسانہ بہار کا

ڈل لیک نے بکھیر دی آنگن میں چاندنی
شرما رہی ہے پھول کی چلمن میں چاندنی
یا ہے نگاہِ شوق کے درپن میں چاندنی
حیرت میں پا ہے آج زمانہ بہار کا
فطرت نے لکھ دیا ہے فسانہ بہار کا

نشے میں آ کے جھومتی پھولوں کی ڈالیاں
صحن چمن میں گھومتی پھولوں کی ڈالیاں
ہر گلبدن کو چومتی پھولوں کی ڈالیاں
مستی میں ہے یہ دَور سہانہ بہار کا
فطرت نے لکھ دیا ہے فسانہ بہار کا

چشموں کا یہ سرود بدامانِ کوہسار
ہے وجد میں نسیم کہ رقصاں ہے آبشار
گلرنگ و گلفروش ہیں فطرت کے شاہکار
لٹتا ہے رات دن یہ خزانہ بہار کا
فطرت نے لکھ دیا ہے فسانہ بہار کا

یخ بستہ چوٹیوں پہ مچلنے کی آرزو
ہر دل میں تیری چاہ نگاہوں کو جستجو
کیا دلنشیں ہے وادئ گل حسن رنگ و بو

ہو جائے کیوں نہ دِل یہ نشانہ بہار کا
فطرت نے لکھ دیا ہے فسانہ بہار کا

لال قلعہ

عظمتِ ماضی مجسّم عکسِ عہدِ اقتدار
شانِ دارالسلطنت گہوارۂ عزّ و وقار

اے میری محبوب عمارت یادِ ایامِ بہار
عہدِ نو کے ہوں مساکن سینکڑوں تجھ پہ نثار

باعثِ فخر و مسرت ہے تمہارا آستاں — آج بھی ہے تو نشانِ عظمتِ ہندوستاں

تھا کبھی تو تاجداروں کے لئے دارالامیں
مرکزِ شعر و سخن ادارۂ انصاف و دیں

رشکِ جنت تھا کہ تھا تو رشکِ فردوسِ بریں
پُرسکوں تھا اک زمانے کے لئے تیرا قریں

عشق کا اِک دلربا افسانہ تھا تیرا قیام — تیرا مسکن تھا جہاں میں باعثِ صد احترام

تیرا دامن تھا کبھی علم و ہنر کی داستاں
ملک و ملت کے لیے روشن مثالِ کہکشاں
حسن لیتا تھا تیری آغوش میں انگڑائیاں
موردِ الطاف لیکن عشق بھی تھا بے گماں

زندگی کے ہر مسائل کی صحیح تصویر تھا
تیرا دامن ملک کے ہر خواب کی تعبیر تھا

سرزمینِ ہند کے سرمایۂ صد امتیاز
ملک و ملت کو بجا ہے جس قدر ہو تجھ پہ ناز
تجھ سے وابستہ رہا بہبودیٔ انساں کا راز
ہر دو عالم میں تمہارے معتقد ہیں سرفراز

نیتا جی کے آہنی جذبات کی روحِ رواں
پاس تھا تیرا ظفر کو بھی بوقت امتحاں

آج لہراتا ہے سہ رنگا تیرے رخسار پر
وقت کی پُر رعب کلغی ہے تیری دستار پر
عزمِ راسخ کے نشاں ہیں ہر در و دیوار پر
خندہ زن ہے آج تو امکان نور و نار پر

آج بھی انسانیت کا تو علمبردار ہے
تیری عظمت، عظمتِ سرمایہ کردار ہے

تاج

عشق و الفت کے حسین خواب کی تعبیر ہے تاج
صفحۂ ہستی پہ کتنی بڑی تحریر ہے تاج
اِک کہانی یہ مجسم دلِ بیتاب کی ہے
نغمۂ عشق پہ زد حسن کے مضراب کی ہے
ہاتھ میں شادِ محبت کے بھرا جام یہ تاج
ایک رنگین فسانے کا ہے انجام یہ تاج
شاعرِ عشق کا کیا مرمریں ہے یہ شاہکار
اِک غزل ہے کہ ترنم میں ہیں فردوس و بہار
حُسنِ عریاں کا مگر عشق کی باہوں میں وجود
اک حسیں خواب کی تعبیر ہیں یہ نقش و نمود
حسنِ افکار مجسم یہ وفا کی تصویر
ہے کہیں آج کی دنیا میں کہو اِس کی نظیر

ایک اعجازِ وفا ہے یہ عقیدت کا مقام
حُسن کو بھی ہے زمانے میں عطا عمرِ دوام
تاجداروں کے جھکیں کیوں نہ تیری راہ میں تاج
حُسن کو شاہِ محبت نے یہ بخشا ہے خراج

نیند میں ہے کہ تیرا عالمِ بیداری ہے
کس لئے وجد نگاہوں پہ تیری طاری ہے
کس لئے نغمہ سرا تاج کی توقیر میں ہے
محرمِ خواب نہیں خواب کی تعبیر میں ہے
حُسنِ تعمیر کا تو تاج بھی محتاج نہیں
یہ تیرا تاج کوئی عشق کی معراج نہیں
عشق کہتے ہیں جسے عظمتِ ایثار ہے وہ
حُسن کا یومِ ازل سے ہی پرستار ہے وہ
عشق کو حُسنِ مساوات پہ ہے آج بھی ناز
ایک ہی صف میں کھڑے کر دیئے محمود و ایاز

گر نہ تھے تاج تو کیا عشق کی روداد نہ تھی
شعلۂ حسن میں کیا لذتِ بیداد نہ تھی
لیلیٰ و شیریں کی قبروں پہ کوئی تاج نہ تھے
قیس و فرہاد بھی مرقد کے تو محتاج نہ تھے

تاج ہے شاہ کے تکبر کا زمانے میں قیام
تاج ایثار و مروت کے مراقد کا ہے نام
تاج میں محنتیں ہیں آہیں ہیں مزدوروں کی
بے کفن لاش ہے اُس دَور کے مجبوروں کی
تاج اک عہدِ وفا کی ہے جفاؤں کا ظہور
تاج ہے حکمِ شہنشاہ بنام مزدور
تاج اک شاہ کی رعونت کا ہے بے پردہ خمار
خونِ اسلاف ہے تابندہ بشکلِ مینار
قوم کے دل کے پھپھولے ہیں کہ محرابیں ہیں
بحرِ ظلمات کی اُبھری ہوئی گردابیں ہیں

تاج کب شاہ کی محبت کا رہا ہے آثار
تاج ہے آج بھی انساں کی فضیلت کا معیار
حُسنِ ممتاز کے کب عکس ہیں یہ نقش و نگار
ہے ہتھوڑوں کے یہ مزدور کی تاباں جھنکار
ہم نے مانا کہ نہیں تاج کی دنیا میں مثال
ہے تخیل کی یہ پرواز بصد جاہ و جلال
ق
ہے اگر تاج بھی اعجاز تو فنکار کا ہے
شاہ کا عشق نہیں حسن یہ شاہکار کا ہے
محنت انسان کی فطرت کو بھی ہے کتنی عزیز
چاندنی چاند کی ہے تاج کی ایک برقی کنیز

کچھ بھی ہو تاج میرے مُلک کا سرتاج تو ہے
عشق کی ہو کہ نہ ہو حسن کی معراج تو ہے
دلکشی کے یہ مناظر یہ امنگوں کے سرود
اک غزل ہے یہ میرے تاج کا برجستہ وجود

رشکِ فردوس ہیں دامنِ گل و لالہ کا ہجوم
چاند کی کرنیں رہی ہیں کسی گلفام کو چوم

اک زمانے کی نگاہوں کا ہے مرکز مرا تاج
آج بھی عشق کی راہوں کا ہے مرکز میرا تاج

کاررواں راہ محبت پہ بڑھا کرتے ہیں
حسن کے نام پہ نذرانے چڑھا کرتے ہیں

ق

منزلِ عشق پہ جب رو بہ دعا ہوتے ہیں
تاج کے نام سے پیمانِ وفا ہوتے ہیں

اوجِ اخلاص دامن ۔ عزم وفا کی تصویر
دہر میں آج بھی ہے ہنر کا بے دام سفیر

ملک کے نام سے وابستہ ہے یہ تاج میرا
فطرتِ قوم کا گلدستہ ہے یہ تاج میرا

واسطہ شاہ سے اس کو ہے نہ مزدور سے ہے
تاج کو آج جو نسبت ہے فقط طور سے ہے

یہ دورِ زیست یقیناً بدلنے والا ہے

غریبی اب نہ رہے گی وطن میں کہتے ہیں
نظامِ وقت نے نعرہ نیا نکالا ہے
مٹا کے بھوک اور افلاس کی یہ تاریکی
فروغِ علم سے ہونا نیا اُجالا ہے
وطن سے اپنے ہٹا دیں گے ہم غریبی کو
پلان اہلِ حکومت کا پنج سالا ہے

یہ سن کے مستی میں آئے مرے وطن کے غریب
ہلا سکوں کہ مقدر بدلنے والا ہے
ملے گی اب تو غریبوں کو پیٹ بھر روٹی
وہ بھوکے نعرے کو سمجھے مگر نوالا ہے
یہ آرزوئیں مگر آج تک نہ بر آئیں
چلن غریب کی دُنیا کا بھی نرالا ہے

ہوتی ہیں ظاہراً اشیائے خوردنی نابود

وطن میں چور بازاری کا بول بالا ہے

وطن کی توڑ کر رکھ دی کمر گرانی نے

پڑا وہ زیست کو محرومیوں سے پالا ہے

چنے کو لو یا جلیبی کو دام یکساں ہیں

فلک نے طرزِ ستم بھی نیا نکالا ہے

فزوں ہے پہلے سے افلاس کی یہ تاریکی

فروغِ علم کا کہئے کہاں اُجالا ہے

میرے غریب کی قسمت میں آج بھی ہمدم

فغاں ہے گریہ و زاری ہے آہ و نالا ہے

لباس پہلے ہی کب تھا غریب کے تن پر

امیرِ شہر نے اب تن بھی نوچ ڈالا ہے

غبار ہیں یہ قدیمی فتور انساں کے

وجودِ مندر و مسجد ہے یا شیوالا ہے

پرستش ہوتی ہے دُنیا چڑھتے سورج کی

نہیں پہ گرتوں کو ساقی نے کب سنبھالا ہے

گری ہے بجلی تو اکثر غربا کے سر پر
پھٹی زمیں تو مفلس ہی تہ و بالا ہے
ہے کس مقام پہ تو اے وفورِ ناکامی
کہاں تلک تیری شدت نے جال ڈالا ہے
اب اور ضبط کی قوت دلِ حزیں میں نہیں
نہ کوئی گرتوں کو ساقی اٹھانے والا ہے

نہ اس قدر ہو پریشاں نہ رنج کھا شاعر
یہ زندگی کا چلن ہے ہوس نے ڈھالا ہے
خودی کا نام دیا ہم نے خود نمائی کو
ہوس کو عشق کے انداز سے اچھالا ہے
ہے عکسِ فطرتِ خاکی یہ گردشِ دوراں
کبھی رہا ہے اندھیرا کبھی اجالا ہے
میرے عزیز ہیں یہ انقلاب کے آثار
یہ دورِ زیست یقیناً بدلنے والا ہے